حقیقتِ تقویٰ

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

حقیقتِ تقویٰ

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۲۵۹

نام کتاب : حقیقت تقویٰ

مصنف : مولانا امین احسن اصلاحیؒ

صفحات : ۶۴

اشاعت

آٹھواں ایڈیشن: ستمبر ۲۰۲۲ء

تعداد : ۱۱۰۰

قیمت : -/۵۵ روپے

ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

موبائل: 7290092401 واٹس ایپ: 7290092403

E-mail: mmipublishers@gmail.com

E-mail: info@mmipublishers.net

Website: www.mmipublishers.net

مطبوعہ : S.K. Enterprises, Tronica City, U.P

ISBN 978-93-93192-39-4

HAQEEQAT-E-TAQWA (Urdu)

By: Maulana Ameen Ahsan Islahi

Pages: 64

Price: ₹55.00

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

ادھر ایک عرصے سے یکے بعد دیگرے ایسی باتیں ہمارے علم میں آتی رہیں جن سے یہ اندازہ کرنے کا موقع ملا کہ تقویٰ کا لفظ اپنے جن متعلقات ولوازم کے ساتھ آج بولا جاتا ہے، یہ متعلقات ولوازم اگرچہ اس کے اصلی اور ابتدائی نہیں ہیں لیکن اب عام ذہنوں پر اُن کا ایسا غلبہ ہے کہ ان سے مجرّد کر کے اس لفظ کو اس کے اصلی مفہوم میں استعمال کرنا کوئی آسان کام نہیں رہا ہے۔ بظاہر تو یہ صرف ایک لفظ سے متعلق غلط فہمی کا معاملہ ہے، جو چنداں قابلِ اہتمام نظر نہیں آتا لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ مسئلہ نہایت اہم ہے۔

تقویٰ تمام شریعت کی غایت، تمام وحی و تنزیل کا مقصود اور حضرات انبیاء کرامؑ کی ساری دعوت و تلقین کا محور و مرکز رہا ہے، اس وجہ سے اس کے متعلق کوئی معمولی غلط فہمی بھی بہت سی غلط فہمیوں کا دروازہ کھول سکتی ہے۔

اس کے متعلق ہمارے تصور کے غلط ہونے کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ سارے دین کے متعلق ہمارا زاویہ نگاہ اور ہمارے سارے اعمالِ دینی کا نشانہ ہی غلط ہو جائے، اس وجہ سے سخت ضرورت ہے کہ کتاب و سنت میں یہ لفظ جس مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے، اس کو واضح کیا جائے اور جو لوازم اس کے ساتھ مختلف جماعتوں نے اپنے ماحول کی روایات سے اخذ کر کے چپکا دیے ہیں، اُن کو دور کیا جائے۔ اس کوشش کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ جو چیز تمام دین داری کے اندر بمنزلہ رُوح ہے وہ واضح ہو کر سامنے آ جائے گی اور ہر طالب حق اس کے لیے بغیر اشتباہ اور تردّد کے جدوجہد کر سکے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ تقویٰ کی ناپ تول کے جو پیمانے آج رائج ہو گئے

ہیں اور جن کے اختلاف کی وجہ سے خود تقویٰ کی ہیئتیں اور صورتیں مختلف ہو گئی ہیں کالعدم ہو جائیں گے اور کتاب وسنت کا وہ صحیح پیمانہ ہمارے سامنے آجائے گا، جو ہر چیز کے ناپنے اور تولنے کا اصلی پیمانہ ہے۔

امین احسن

یکم مارچ ۱۹۴۷

تقویٰ کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

تقویٰ کے متعلق غلط تصوّرات

آج جن مواقع پر تقویٰ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یا جن لوگوں کو متقی سمجھا جاتا ہے، اگر تجزیہ کر کے ان کا قدرِ مشترک نکالا جائے تو تقویٰ کے متعلق چند چیزیں لازماً سامنے آئیں گی۔ مثلاً یہ کہ تقویٰ ایک ایسا درجہ ہے، جس کے لیے اتباعِ شریعت اور حفاظت حدودِ الٰہی کی عام جدوجہد کے سوا کچھ اور بھی مطلوب ہے اور یہ ''کچھ اور'' اِس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے آگے خود شریعت کے فرائض و حدود اور اس کے قیام و حفاظت کی ذمے داریاں بہت ہلکی ہو گئی ہیں۔ آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملیں گے، جن کی ساری ذہنی و عملی قوتیں ایسے کاموں پر صرف ہو رہی ہیں جو نہ صرف یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کی نظر میں کوئی قیمت نہیں رکھتے بلکہ ان کاموں کی کامیابی اور ترقی، اللہ اور اُس کے رسول کے دین کی پستی اور بربادی کے ہم معنی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے تقویٰ میں کوئی فتور نہیں ہوتا اور وہ اپنے اس ''کچھ اور'' کی بدولت نہ صرف متقی بنے ہوئے ہیں، بلکہ برابر تقویٰ کے مدارج و مقامات میں ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں۔

اسی طرح تقویٰ کے لوازم میں یہ بات بھی سمجھی جاتی ہے کہ اس کا حصول کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے بیعت وارادت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور یہ چیز اس قدر ضروری خیال کی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خانقاہ کی سند حاصل کیے بغیر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی باتیں سکھانا اور بتانا شروع کر دے تو لوگوں کی نظر میں یہ بات اس طرح کھٹکنے لگتی ہے، جس طرح کوئی طبیہ کالج کی سند حاصل کیے بغیر کسی شہر میں مریض کا علاج شروع کر دے، بلکہ ایک عطائی،

اگر اس کے علاج سے لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہو آہستہ آہستہ گوارا کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اصلاحِ نفوس اور تزکیہ اخلاق پر اربابِ خانقاہ کا ایسا اجارہ ہے کہ بغیر ان کی سند کے کوئی شخص اس کام کا اہل ہو ہی نہیں سکتا اگرچہ اس کی تعلیم و دعوت سے لوگوں میں کتنا ہی بڑا انقلاب برپا ہو جائے۔

اسی طرح یہ بات بھی تقویٰ کے لوازم میں سے سمجھی جاتی ہے کہ آدمی نہ صرف محرمات و مشتبہات کا تارک ہو، بلکہ بہت سے مباحات کا بھی تارک ہو اور ستم ظریفی یہ ہے کہ منہیات میں اصل اہتمام نہ صرف ان چیزوں کا کیا جاتا ہے جن کی حیثیت اصل دین میں محض ضمنی ہے۔ لیکن ان پر اس شدومد سے وعظ کہے جاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل دین یہی چیزیں ہیں۔ اور بہت سی ایسی باتیں جو صریحاً خدا اور اس کے رسول سے بغاوت کے حکم میں داخل ہیں نہ صرف یہ کہ ان پر ان بزرگوں کی طبائع میں کوئی خلش تک پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ان چیزوں کو اسلام کی ترقی کے اجزا میں گنا جاتا ہے اور بسا اوقات ان کے حصول کے لیے ہماری خانقاہوں میں دعائیں تک کی جاتی ہیں۔ مثلاً ہم نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں کو ازار کے ٹخنوں کے نیچے ہونے اور ڈاڑھی اور لب کے مسائل میں بڑا انہماک ہے، وہ رات دن طاغوت کے تقرب کی طلب اور اس کے لیے دعائیں اور سفارشیں کرنے میں ذرہ برابر بھی قباحتیں محسوس نہیں کرتے لیکن یہ محض اس جرم پر ایک شخص کو تقویٰ کے معیار سے گرا دیتے ہیں کہ وہ مباحات سے فائدہ اٹھانے میں ان کی طرح زاہد خشک یا بے قرینہ نہیں ہے، اگرچہ نہ صرف محرمات ہی کا تارک ہو، بلکہ مشتبہات میں بھی احتیاط کرتا ہو اور کوئی بات اس کی زندگی میں ایسی نہ ہو، جس کو اللہ اور اس کے رسول کی شریعت سے انحراف یا بغاوت قرار دیا جا سکے۔

علیٰ ہذا القیاس تقویٰ کے شرائط میں سے یہ بات بھی سمجھی جاتی ہے کہ یہ تجرد اور ترک دنیا سے مناسبت رکھتا ہے اور خلوت کے گوشوں اور تنہائی کے حجروں میں ہی پرورش پا سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی زندگی کی تمام عملی سرگرمیوں سے الگ تھلگ اور خلائق سے منقطع ہو کر یادِ الٰہی میں مشغول رہے، یہاں تک کہ اگر ایک شخص کی زندگی دین کی حجت واضح کرنے اور اس کی اقامت کے لیے کشمکش میں بسر ہو رہی ہو تو ہمارے تقویٰ کی موجودہ سائنس کے ماہرین کے نزدیک اس کا یہ مشغلہ بھی حصول تقویٰ کی جدوجہد میں مخل ہے اور اس سے کچھ فائدہ حاصل ہونا تو الگ رہا بہت زیادہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس کشمکش میں اس کی رہی سہی خوبیاں بھی برباد ہو جائیں۔

ان حضرات کے نزدیک اعلیٰ طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی پوری زندگی ریاضت ومراقبے میں گزار دے ورنہ کم از کم ایک طویل مدت تو اس شغل تنہائی میں بسر کیے بغیر آدمی کے لیے عملی میدان میں اترنا بہرصورت خطرے سے خالی نہیں ہے۔

یہ حضرات اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ بچہ کی ترقی کے لیے اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ماں کی گود سے اترے، زمین پر رینگے، کھڑے ہونے کی کوشش کرے، کھڑا ہوا لڑکھڑائے، گرے، پھر دوڑنے لگے، وہ اس کے برعکس اس بات کے قائل ہیں کہ بچہ کی ولادت سے سنِ رُشد تک ماں باپ کے کاندھوں پر لدا لدا پھرے اور چالیس برس کی اس پختہ استعداد مادی و عقلی کو پہنچ جائے، جس کو قرآن حکیم نے "فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً" سے تعبیر کیا ہے تو اس کو دفعۃً کارزارِ حیات میں جھونک دیا جائے کہ اب تو جا اس کے نشیب وفراز اور سرد وگرم سے خود عہدہ برآ ہو، کیونکہ پورے چالیس سال مادرِ مشفقہ کی محفوظ آغوش میں اس کارزار میں اترنے کے لیے تربیت حاصل کر چکا ہے۔

اسی طرح اہل تقویٰ کی ایک خاص پہچان یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ نہ صرف صاحبِ تاثیر بلکہ صاحبِ تسخیر ہوتے ہیں، ان کی ایک نگاہ دلوں کو بدل دینے کے لیے کافی ہوتی ہے، ان کے ایک ادنیٰ اشارے سے وہ کام بن جاتے ہیں، جو دوسروں کی برسوں کی جان کاہیوں سے بھی نہیں بنتے، شقی سے شقی انسان ان کی صحبت میں آتے ہی مومن کامل ہو جاتا ہے، وہ جدھر سے گزر جاتے ہیں اُدھر کی دنیا نورِ ایمان سے جگمگا اٹھتی ہے، وہ نہ زبان سے بولتے ہیں، نہ قلم سے لکھتے اور نہ اس طرح کی کوئی اور ہی بات کرتے۔ محض ان کے فیضِ باطن سے یہ اثر ہوتا ہے کہ ان کے سایہ کے پرتَو سے کفر وباطل بھاگتا ہے۔

اس طرح کے خیالات جن لوگوں کے دماغوں پر چھائے ہوئے ہیں بھلا ان کی نظر میں وہ لوگ کیا جگہ پا سکتے ہیں، جو باطنی تصرفات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے عام قانون کے مطابق کام کرتے ہیں اور اس کی راہ میں انہی ہتھیاروں سے لڑتے ہیں، جو اس نے کوشش اور جدوجہد کے لیے عنایت فرمائے ہیں، بلکہ شاید حضرات انبیائے کرامؑ اور صحابہ عظامؓ کی بھی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ ان حضرت کو یہ درجہ نصیب نہ ہوسکا کہ ایک نگاہ سے دلوں کی کایا پلٹ دیتے، ان کا بھی یہی حال تھا کہ برسوں کی حجتوں، دعوتوں، مزاحمتوں، مخالفتوں،

ناکامیوں اور پامالیوں کے بعد جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اور اس کے تمام ساتھی پکار اٹھے کہ ''اللہ کی مدد کب آئے گی۔'' تب اللہ تعالیٰ نے ان کی صدا میں تاثیر اور ان کی دعوت میں قوت عطا فرمائی۔

جو لوگ آج تقویٰ کا لفظ بولتے ہیں ان کے ذہنوں میں یہ سارے مفاہیم یا ان کا بڑا حصہ مضمر ہوتا ہے۔ تقویٰ کے یہ متعلقات نہ تو کل کے کل غلط ہی ہیں نہ ان سب کو درست ہی قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ ان میں صحیح اور غلط دونوں ملے جلے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی روشنی میں اس لفظ کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اپنے ذاتی رجحانات کی جنبہ داری کے بغیر معلوم کیا جائے کہ تقویٰ کی حقیقت اور اس کے شرائط و خصوصیات کیا ہیں۔

تقویٰ کا لغوی مفہوم

عربی زبان میں وَقیٰ یَقِیْ کے معنیٰ ہیں: کسی شئے کے ضرر سے اپنے تئیں بچانا۔ اسی سے اِتِقَاء ہے، جو قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱- جس چیز سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس سے محفوظ رہنا۔ مثلاً:

اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰةً ؕ (آل عمران:۲۸)

''مگر یہ کہ تم ان سے بچو، جیسا کہ بچنا چاہیے۔''

۲- کسی آفت سے ڈرنا۔ مثلاً:

وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً ۚ (الانفال:۲۵)

''اس فتنہ سے ڈرو جو تم میں خاص طور پر انہی لوگوں کو نہیں پکڑے گا، جنھوں نے ظلم کیا ہوگا۔''

۳- خدائے پاک و منعم کے حضور، اظہارِ خشیت جو اپنے شکر گزار بندوں پر رحم فرماتا ہے، کفر و ناسپاسی کو ناپسند کرتا ہے اور تمام ڈھکے چھپے سے واقف ہے۔

اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا وَّيُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ (الانفال:۲۹)

''اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تم کو حق و باطل کا امتیاز بخشے گا اور تمہارے گناہوں کو دور کرے گا۔''

۴- چوتھا مفہوم ان تینوں مفہوموں کا جامع ہے یعنی اللہ کے حدود کو توڑنے، اس کی امانتوں میں خیانت کرنے اور اس کے عہد کی بے حرمتی کرنے سے اس کے برے نتائج اور خدا کے غضب کے اندیشہ کی بنا پر بچنا۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں مفعول کے بغیر یہ لفظ آتا ہے بالعموم یہی جامع معنیٰ مراد ہوتے ہیں اور اسی کی دوسری تعبیر تقویٰ ہے۔ اس مفہوم پر آگے چل کر ہم مفصل بحث کریں گے، یہاں صرف اس قدر یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے متقی وہ شخص ہے، جس کے دل میں خدا کی تعظیم اور اس کے غضب کا اندیشہ ہو اور وہ خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کو توڑنے، اس کے عہد و میثاق کی خلاف ورزی کرنے اور اس کی امانتوں میں خیانت کرنے سے ڈرتا ہو۔

تقویٰ بحیثیت ایک عالم گیر حقیقت کے

اس کائنات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں بنائی ہیں ان میں دو طرح کی قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔

ایک اپنی مخفی قابلیتوں کو بروئے کار لانے کی قوت، دوسری اپنی حفاظت کی قوت۔ پہلی قوت کا تقاضا اقدام اور عمل ہے اور اس کا نتیجہ ہر شئے کا اپنی غایت تک پہنچنا ہے، جس کے لیے وہ خلق ہوئی ہے۔ دوسری قوت کا تقاضا اجتناب و احتراز ہے اور اس کا ثمرہ ہر شئے کا ان خطرات سے محفوظ رہنا ہے، جو اس کو اس کی غایت تک پہنچنے سے پہلے برباد کر سکتے ہیں۔

پہلی قوت ہر شئے کی مخفی صلاحیتوں کو ابھارتی اور اس کو پروان چڑھاتی ہے۔ دوسری قوت خطرات و آفات سے اس کی حفاظت کرتی ہے۔ اِس کو مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اچھا موٹر ہو اور اس کے اندر نہایت سچا بریک لگا ہوا ہو، موٹر میں کچھ پُرزے ہوتے ہیں جن کے باہمی تفاعل سے وہ قوت پیدا ہوتی ہے جو گاڑی کو ہوا کی رفتار سے چلاتی ہے، اور یہ قوت گاڑی کا اصلی جوہر ہے لیکن اگر تنہا یہی قوت کار فرما ہو تو نہیں معلوم، گاڑی کس کھڈ میں گر کر اور کس درخت سے ٹکرا کر چکنا چور ہو جائے، اس وجہ سے اس میں ایک بریک لگایا جاتا ہے جو اس کی قوت کو اپنے ضبط و نظم میں رکھتا ہے اور گاڑی کو اپنی حفاظت میں لے کر اس کی منزل مقصود تک پہنچاتا ہے، یہ بریک اس کائنات کی قوت اور ہر حرکت کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اسی سے اس دنیا کی زندگی اور

حفاظت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتو یہ دنیا اور اس دنیا کی ساری چیزیں آن کی آن میں پاش پاش ہو کر فنا ہو جائیں۔

اس قوت وصلاحیت کو اس کائنات کے مختلف گوشوں میں ہم مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں، کہیں یہ حفاظت ذات کے نام سے موسوم ہے، کہیں تقویٰ کے نام سے لیکن یہ محض تعبیر کا اختلاف ہے، نفس حقیقت کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایک ہی حقیقت ہے جس کا مسمّٰی تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس کائنات کی ہر چیز میں، اس زمین کے ہر جان دار میں، اس دنیا کے ہر انسان میں پایا جاتا ہے اور ہر جگہ اس کے افعال واثرات تقریباً ایک ہی سے ہیں، اس وجہ سے تقویٰ کی اصلی اہمیت، اس کے اصلی موقع ومحل اور اس کے واقعی افعال واثرات کی وضاحت کے لیے بہتر ہوگا کہ اس کائنات کے مختلف گوشوں میں اس کی مختلف صورتوں کا مشاہدہ کرلیا جائے یعنی یہ دیکھ لیا جائے کہ آفاق میں جو تقویٰ پایا جاتا ہے اس کی شکل وصورت کیا ہے؟ حیوانات کے اندر اس کی نوعیت کیا ہے؟ انسانوں کی فطرت میں اس کی حقیقت کیا ہے؟

اس طرح جب ہم آفاقی، جبلی اور فطری تقویٰ کی مختلف صورتوں اور ان کے افعال و اثرات سے اچھی طرح آشنا ہو جائیں گے تو ہم کو یہ سمجھنے میں کچھ زیادہ دقت نہیں ہوگی کہ شریعت ہم سے جس تقویٰ کا مطالبہ کرتی ہے اس کی شکل وصورت اور اس کے افعال واثرات کیا ہونے چاہئیں اور پھر جو کچھ ہونا چاہیے اگر اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی زندگی اور اس کے ساتھیوں کے حالات سے بھی ہو جائے تو یقین کرلینا چاہیے کہ یہی حق ہے اور اس کے سوا اس کے جو لوازم وتضمنات بیان کیے جاتے ہیں ان کی اصل نہ تو عقل وفطرت کے اندر ہے، نہ اللہ کی کتاب میں ہے اور نہ رسول اللہ کی سنت میں۔ اب ہم بالترتیب تقویٰ کی ان مختلف قسموں کی وضاحت کرتے ہیں۔

تقویٰ آفاق میں

سب سے پہلے اس تقویٰ کا مشاہدہ کائنات کے ان گوشوں میں ہوتا ہے جہاں ہم کسی ارادہ اور زندگی کا شعور نہیں پاتے بلکہ قدرت کا ایک بندھا ٹکا نظام ہے، جس کے ماتحت ہر چیز اپنی پوری قوت کے ساتھ اپنا فعل کر رہی ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں تک کسی شئے کے وظیفہ کا

تعلق ہے اس کی تکمیل کی راہ میں کوئی مزاحمت نہیں ہے، بلکہ قدرت اس کو پوری اجازت دیتی ہے کہ جہاں تک وہ بڑھ سکتی ہے وہاں تک بڑھے اور جس منزل تک پہنچ سکتی ہے وہاں تک پہنچے۔ لیکن ساتھ ہی ایک مخفی ہاتھ اس کی باگیں تھامے ہوئے پوری ہوشیاری کے ساتھ اس امر کی نگرانی بھی کر رہا ہے کہ یہ اپنی راہ سے بے راہ نہ ہونے پائے اور دوسروں کے حدود میں دراندازی کر کے نہ اپنا کام خراب کرے نہ دوسروں کے کام میں خلل ڈالے، یہ آفاق کا تقویٰ ہے اور اسی کی طرف قرآن مجید کی ان آیات میں اشارہ ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ؕ ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ○ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ○ (یٰس: ۳۸-۴۰)

"اور سورج اپنے خاص مدار پر حرکت کرتا ہے، یہ خدائے عزیز وعلیم کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے اور چاند، تو ہم نے اس کے لیے منزلیں ٹھہرادی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے، نہ سورج کو یہ حق ہے کہ وہ چاند کو جالے اور نہ رات ہی دن سے پہلے نمودار ہو سکتی ہے ہر ایک، ایک خاص مدار میں تیر رہا ہے۔"

یہی طبعی تقویٰ ہے جو کھاری اور میٹھے سمندروں کو اپنے اپنے حدود کی پاس داری پر مجبور کرتا ہے اور ان کو ایک دوسرے کے حدود میں مداخلت سے روک کر ان کے ان فوائد کی حفاظت کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ودیعت فرمائے ہیں:

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ۙ○ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ۚ○

(الرحمٰن: ۱۹، ۲۰)

"اس نے چھوڑے ہیں دونوں سمندر جو ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور ان کے درمیان ایک پردہ ہے، جس سے تجاوز نہیں کرتے۔"

کائنات کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کی پوری نگرانی کرتی ہیں اور کسی حال میں بھی ان سے تجاوز کی جرأت نہیں کرتیں۔ یہ ان کا وہ تقویٰ ہے، جس کا وہ اپنے عملی نمونے

سے انسان کو درس دیتی ہیں کہ وہ اپنے ارادہ واختیار کی دنیا میں انہی کی طرح خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کا پابند رہے اور اس سے تجاوز کر کے اپنے آپ کو برباد نہ کرے۔ سورۂ رحمٰن کی آیت ذیل میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ (الرحمٰن: ۵-۸)

"سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ گردش کرتے ہیں، ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں اور آسمان کو بلند کیا اور اس میں ایک میزان رکھی (یہ زبانِ حال سے تعلیم دیتے ہیں کہ) تم میزان میں عدل سے نہ ہٹو۔"

تقویٰ حیوانات میں

بعینہٖ اسی طرح تقویٰ کی نمود ہم اس عالم میں پاتے ہیں جہاں زندگی تو موجود ہے لیکن انسانی اختیار وارادہ موجود نہیں ہے یعنی حیوانات کے اندر ان کی زندگی کی حفاظت اور ترقی بھی تقویٰ ہی کی بدولت ہے، اگرچہ اختیار وارادہ سے محروم ہونے کی وجہ سے ان کا تقویٰ اختیاری تقویٰ نہیں، بلکہ جبلّی تقویٰ ہے۔ قدرت نے ہر حیوان کے اندر وہ ساری قابلیتیں ودیعت کر دی ہیں، جو اس کی نوعی صفات کے درجۂ کمال تک ترقی کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ ترقی جس طرح کی حرکت اور جدوجہد کی طالب ہے وہ بھی ان کے اندر ودیعت ہے اور جس قسم کے سکون کا مطالبہ کرتی ہے وہ بھی ان کو تعلیم کر دیا گیا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جو چیزیں ان کے چرنے چگنے کی ہیں وہ بھی ان کو بتا دی گئی ہیں اور جن چیزوں سے ان کو ڈرنا اور بچنا چاہیے ان کو بھی یہ اچھی طرح جانتے ہیں اور جبلّی طور پر ان سے بچتے ہیں اور ان کا یہی جبلّی تقویٰ ہے، جو اُن کا اصلی پاسبان ہے اگر یہ نہ ہوتا تو حیوانات کی کوئی نوع وجود میں آ کر اپنے آپ کو باقی نہیں رکھ سکتی۔

ایک مرغی کا ننھا سا بچہ پہلے روز سے جانتا ہے کہ اسے کس طرح اپنی ذات کو نشوونما دینے کے لیے اپنی ماں کے ساتھ ساتھ پھرنا اور اس کے اشاروں پر دوڑ کر زمین میں سے غذا کے

ذرّے کو چگنا چاہیے اور پھر کس طرح کوّے، چیل، شکرے یا بلّی کی آہٹ پاتے ہی اس کے پروں کے نیچے چھپ جانا چاہیے۔

گدھا ایک نہایت غبی جانور ہے لیکن اس کی غباوت کے باوجود وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ بے شمار نباتات میں سے کون کون سی گھاس ہے، جو اس کے لیے مضر یا مہلک ہیں اور ایک گدھا گدھا ہونے کے باوجود اپنے جبلّی تقویٰ میں ایسا کامل ہوتا ہے کہ بھوکا مر جاتا ہے لیکن یہ گوارا نہیں کرتا کہ جبلّت نے جو قاعدے ٹھہرا دیے ہیں اور جو حدود قائم کر دیے ہیں ان کو توڑ کر کوئی ایسی چیز کھالے جو اس کی جبلّی شریعت میں حرام ہے۔ منافع کو اختیار کرنے اور نقصانات سے بچنے کی یہی وہ ہدایت ہے، جو ہر جان دار کے اندر اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہے اور جس کی طرف قرآنِ حکیم کی یہ آیت اشارہ کر رہی ہے:

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ
وَالَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ۪ۙ (الاعلیٰ ۱:۱-۳)

”اپنے پروردگار برتر کی تسبیح کر جس نے خلق کیا پھر اس کا تسویہ کیا اور جس نے اندازہ ٹھہرایا، پھر اس کی طرف رہنمائی فرمائی۔“

تقویٰ انسان میں

آفاقی اور جبلّی تقویٰ کے یہی مخفی اشارات ہیں، جو انسان کے اندر آ کر پوری طرح اجاگر ہو جاتے ہیں۔ چیز وہی ہے لیکن انسان کی حیثیت چونکہ مقہور و مسخر اجرام سماوی اور بے اختیار و امتیاز حیوانات سے بالکل مختلف ہے، اس وجہ سے اس کے تقویٰ کی نوعیت اور قدر و قیمت بدل جاتی ہے، بلکہ تقویٰ کا نام ہی یہ چیز اس وقت پاتی ہے جب انسان کے اندر پائی جاتی ہے، یہ ذی ارادہ اور ذی اختیار مخلوق ہے اس وجہ سے وہ سورج اور چاند کی طرح اپنے تقویٰ کے ساتھ جکڑ کے باندھ نہیں دیا گیا ہے کہ جس ڈگر پر ہانک دیا گیا ہے اس سے منحرف ہو ہی نہ سکے بلکہ اس کی فطرت کے اندر مفید اور مضر کے پہچان کا ذوق دے کر آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ذوق اور اپنی عقل کی رہنمائی سے نافع کو اختیار کرے اور مضر سے احتراز کرے۔

نیز وہ صرف ایک مادی وجود ہی نہیں ہے، بلکہ اپنے اندر اخلاقی ہستی بھی رکھتا ہے اس

وجہ سے اس کے اندر صرف مادّی مضرتوں ہی سے بچنے کا ذوق نہیں ودیعت کیا گیا ہے بلکہ اخلاقی و روحانی مضرتوں سے احتراز کرنے کا ذوق بھی بخشا گیا ہے، چنانچہ ایک طرف تو اس کو اس بات کا ذوق دیا گیا کہ خوب صورت کو پیار کرے، اور بدصورت سے گریز کرے، خوشبو سے محبت کرے اور بدبو سے نفرت کرے، طیب کو حلال اور خبیث کو حرام سمجھے، دوسری طرف اس کو اس بات کا بھی ذوق بخشا گیا ہے کہ وہ جھوٹ سے نفرت اور سچ سے محبت کرے، ظلم کو برا سمجھے، عدل کا احترام کرے۔ یہ انسان کا فطری تقویٰ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت کے اندر ودیعت فرمایا ہے اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس کی طرف اشارات ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝ (الدھر:۳)

''ہم نے اس کو راستہ کی ہدایت دی خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکر گزار۔''

۲۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد:۱۰)

''اور ہم نے اس کو دونوں راستوں کی ہدایت دی۔''

۳۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ (الشمس:۸)

''پس اس کو اس کی نیکی وبدی الہام کی۔''

یہی تقویٰ ہے جو انسان کی مادی اور روحانی زندگی کا محافظ ہے۔ اگر انسان اپنی مادی زندگی میں مضرتوں سے احتراز نہ کرے، بلکہ گندم کی جگہ کنکریاں پھانکنا شروع کردے تو اس کا لازمی نتیجہ اس کی مادی زندگی کا خاتمہ ہے۔ اگر وہ اپنی اخلاقی زندگی میں مہلکات سے نہ بچے، شکر کی جگہ ناشکری کی راہ چل پڑے تو اس کی روحانی زندگی کی ہلاکت یقینی ہے، اگرچہ اس ہلاکت سے اُسے اِس زندگی کے خاتمے پر ہی دوچار ہونا پڑے۔

اوپر کی بحثوں کا خلاصہ

اس تفصیل سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

پہلی یہ کہ تقویٰ ہی ہر شے کی زندگی اور اس کی ترقی کا محافظ ہے۔ دوسری یہ کہ زندگی کی اصلی شاہراہ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، بلکہ ہر مرحلے میں زندگی کا ہم رکاب ہے۔ اس کی حیثیت

بدرقہ کی ہے، جو انسان کو غلط روی اور خطرات کی راہ سے بچا کر منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔

تیسری یہ کہ کسی مرحلے میں بھی یہ زندگی کی جدوجہد اور اس کے ارتقائے مادی و اخلاقی میں مزاحم نہیں ہے بلکہ ان مزاحمتوں سے یہ زندگی کی حفاظت کرتا ہے۔

چوتھی یہ کہ اس کی کوئی خاص ہیئت وصورت نہیں ہے بجز اس کے کہ جبلت اور فطرت کے اندر جو حدود بڑھنے اور رُکنے کے لیے قائم کر دیے گئے ہیں ان کی پوری پاسداری کی جائے۔

شرعی تقویٰ کی حقیقت

اب آیئے شرعی تقویٰ کی حقیقت پر غور کیجیے۔ ظاہر ہے کہ شریعت فطرت کے برخلاف نہیں ہے، بلکہ عین فطرت ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ (الروم: ۳۰)

''اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت، جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا۔''

اس وجہ سے شریعت کی نسبت یہ گمان کرنا تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ وہ ہم سے کسی ایسے تقوے کا مطالبہ کرے گی، جو انسان کی زندگی میں کسی طرح کا تعطل پیدا کرے یا اس کی جائز رغبتوں کی نفی کرے (خواہ ان کا تعلق ابتدائی ضروریات سے ہو یا کمالیات سے) یا اس کا حصول زندگی کی شاہراہ سے الگ ہو کر کسی ایسے بعید گوشے اور دور دراز جزیرے ہی میں ممکن ہو جہاں حرکت کی بجائے صرف سکون اور زندگی کی جگہ صرف موت ہو یا اس کی شناخت کے لیے کوئی ایسی علامت ٹھہرائے جو رد و قبول، ترک اور اختیار اور ہدایت و ضلالت کے اس قانون ہی کو یکسر باطل کر دے، جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جاری فرمایا ہے اور جو انسان کی فطرت اور خدا کی حکمت کا عین مقتضیٰ ہے۔

ان باتوں میں سے کوئی بات اگر تسلیم کر لی جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ شریعت اور فطرت میں کامل توافق کی جگہ ایک مستقل نزاع اور جنگ کی حالت قائم ہے۔ حالانکہ ایسا سمجھنا خود شریعت کی تکذیب ہے۔

شریعت کا اعلان تو یہ ہے کہ اس نے فطرت پر نہ سر مو اضافہ کیا ہے نہ اس میں کمی کی ہے، البتہ انسان کی فطرت جو کچھ مطالبہ کرتی ہے اس کو اس نے بالکل واضح اور آشکارا کر دیا ہے،

فطرت کے اشارات مخفی تھے شریعت نے ان کو بالکل روزِ روشن کی طرح نمایاں کردیا تاکہ ان کے اخفاء کی وجہ سے انسان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ فطرت کے مقتضیات کے تعین میں انسان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوسکتا تھا شریعت نے ان مقتضیات کو متعین کر کے اس اختلاف کا خدشہ دور کردیا اس سے زیادہ شریعت کسی بات کی مدعی نہیں ہے۔ اس وجہ سے جبلّی اور فطری تقویٰ اور شرعی تقویٰ میں جو کچھ فرق ہوسکتا ہے وہ نفسِ تقویٰ کی حقیقت اور اس کے مقصد میں نہیں ہوسکتا، البتہ اس کے محرک میں ہوسکتا ہے، جبلّت میں صرف ذات کی حفاظت کا جذبہ مخفی ہوتا ہے، فطرت میں حفاظتِ نفس کے ساتھ مذاقِ سلیم اور انجام بینی کا پہلو بھی نمایاں ہوجاتا ہے۔ لیکن شریعت میں آ کر صاف صاف ایک خدائے منعم و دیّان کا خوف اور عدلِ الٰہی کا ڈر ہے، جو انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اس کی زندگی کے لیے جو سیدھی راہ متعین کردی گئی ہے اسی پر چلے اور بے راہ روی اور گمراہی سے بچے۔ پس شرعی تقویٰ کی حقیقت یہ ہونی چاہیے:

”آدمی اپنی زندگی کو خدا کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر رکھے اور دل کی گہرائیوں میں اس بات سے ڈرتا رہے کہ جہاں اس نے خدا کی قائم کی ہوئی کسی حد کو توڑا تو اس کو خدا کی سزا سے بچانے والا خدا کے سوا کوئی اور ہو نہیں سکتا۔“

تقویٰ کا مفہوم قرآن میں

یہاں تک ہم نے یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ شرعی تقویٰ کی حقیقت کیا ہونی چاہیے، اب ہم قرآن مجید کی روشنی میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ دراصل تقویٰ ہے بھی یہی۔ سب سے پہلے لفظ تقویٰ کو لیجیے کہ قرآن نے اس لفظ کو کس مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ فرمایا ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ (البقرہ:۱۹۷)

’’حج کے چند متعین مہینے ہیں سو جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج لازم کرے، تو حج میں نہ عورتوں سے تعلق جائز ہے نہ گالی گلوچ نہ جھگڑا (بلکہ اس کو بھلائیاں کرنی چاہئیں) اور جو بھلائی کا کام تم کرو گے تو اللہ اس کو علم میں رکھے گا اور تقویٰ کا زادِ راہ لے کر حج کے لیے نکلو، کیوں کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔‘‘

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت کے لیے قیود و شرائط ہیں۔ اور اس کا نتیجہ بخش ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ ان قیود و شرائط کے ساتھ اس کو پورا کیا جائے۔ مثلاً حج کے سفر کے لیے جو لوگ نکلیں ان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو شہوت سے، زبان کو گالی گلوچ اور بدگوئی سے، ہاتھ پاؤں کو جنگ و جدال سے محفوظ رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو بھلائیاں کریں۔ پھر ان تمام باتوں سے محفوظ رہنے کو تقویٰ قرار دیا اور اس تقویٰ کو بہترین زادِ راہ سے تعبیر فرمایا، جس کے معنی یہ

ہیں کہ جس طرح وہ شخص جو بغیر زادِ راہ کے سفر کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا ہے ہر قدم پر اس کی زندگی خطرات سے دو چار ہے، نہیں معلوم کس مرحلے میں بھوک اور پیاس اور بے سامانی اس کا خاتمہ کردے۔ اسی طرح جو شخص تقویٰ کے زادِ راہ اور حدودِ الٰہی کی پاسداری کے عزم کے بغیر حج کے لیے چل پڑا ہے نہیں معلوم کس جگہ اس کے نفس کی شہوت اور اس کی زبان کی بے قیدیاں اس کے سارے حج کو غارت کردیں۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (المائدہ:۸)

"کسی قوم کا بغض تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تم اس کے باب میں عدل سے ہٹ جاؤ۔ عدل پر قایم رہو یہی بات تقویٰ سے اوفق ہے۔"

اس آیت میں مخالفین اور دشمنوں کے بارے میں حدودِ الٰہی پر قائم رہنے کو تقویٰ سے اوفق قرار دیا۔ ایک اور مقام میں ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ (المائدہ:۲)

"ادائے حق اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور حق تلفی اور تعدی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔"

اس آیت میں بِرّ کا اِثم سے اور تقویٰ کا عُدوان سے تقابل ہے اور کسی لفظ کا مقابل اپنے مقابل کے صحیح مفہوم کی تعیین میں سب سے زیادہ مدد کرتا ہے۔ عُدوان کے معنی تجاوز عن الحد یعنی اپنی متعینہ حد سے آگے بڑھ جانے کے ہیں، اس وجہ سے تقویٰ کے معنی اللہ کے حدود کی حفاظت کے ہوں گے یعنی اللہ نے جو حقوق واجب کردیے ہیں، جو حدود متعین کردیے ہیں، جو حلال وحرام ٹھہرادیے ہیں پورے خوفِ خدا کے ساتھ ان کی نگہداشت کی جائے۔

سورۂ توبہ میں ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط (التوبہ:۱۰۸)

''جس مسجد کی بنیاد روزِ اوّل سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اس میں نماز پڑھو۔''

اس آیت سے اوپر والی آیت میں مسجد ضرار کا ذکر ہے، جس کا مقصد ''ضِرَاراً وَّ كُفْراً وَّتَفْرِيقاً ' بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَاداً لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' بیان کیا گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، خدا کی ناشکری کرنا، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں کے لیے ایک اڈا مہیا کرنا، اس کے بعد اس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو باتیں ان باتوں کی ضد ہیں یعنی مسلمانوں کی خیر خواہی، اللہ کی شکر گزاری، مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق، تالیف قلب پیدا کرنے کی کوشش اور اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین سے بیزاری، یہ سب تقویٰ کی باتیں ہیں۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے:

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْآ اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ط (الفتح:۲۶)

''یاد کرو جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت پیدا کر لی، جاہلیت کی حمیت، تو اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور اہل ایمان پر تسکین اتاری اور ان کو کلمۂ تقویٰ کا پابند رکھا اور وہ اس کے حق دار اور اہل تھے۔''

کفار مکہ نے حدیبیہ کے دن حمیت جاہلیت کے جنون میں مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور باوجودیکہ مسلمان ایک طاقت ور عصبیت و حمیت کے ساتھ وہاں موجود تھے اور ان کے جذبات کفار کے اہانت انگیز سلوک کی وجہ سے نہایت مشتعل ہو رہے تھے لیکن وہ اللہ اور اس کے فیصلے پر راضی رہے اور جذبات کے ہیجان میں اس حد سے متجاوز نہیں

ہوئے، جس پر اللہ کے رسول نے ان کو روک دیا تھا اللہ اور رسول کے فیصلے پر اسی طمانیت کو جو انھوں نے رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا کے الفاظ سے ظاہر کی۔

آیت مذکورہ بالا میں کلمہ تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور مسلمانوں کی نہایت تعریف کی گئی ہے کہ انتہائی صبر آزما حالات میں بھی وہ اس کلمہ کے اہل قرار پائے۔

ایک سرسری نظر ان کاموں پر ڈالیے، جن کو قرآن نے اِتّقاء سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ (البقرہ:۱۰۳)

"اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے پاس ان کے لیے بہتر اجر تھا۔"

یہاں واتقوا کا لفظ بالکل واعملوا الصالحات کی جگہ پر ہے اور سیاقِ کلام کو پیش نظر رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر جن علوم سفلیہ میں مبتلا ہو گئے تھے ان سے بچنے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

(البقرہ:۱۷۹)

"اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے اہلِ عقل تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔"

یعنی اگر قصاص لینے میں کوتاہی کی گئی تو کسی کی جان بھی دوسروں کی تعدی سے محفوظ نہ رہے گی پس حدود پر قائم رہنے اور قائم رکھنے کے لیے قصاص لینا ضروری ہے۔ یہاں حدودِ الٰہی کی نگرانی کے لیے تقویٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

روزے کے متعلق ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرہ:۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔"

روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو اپنے جذبات و شہوات پر قابو حاصل ہو جائے تاکہ وہ

زندگی کے مختلف مرحلوں میں اللہ کے حدود کی حفاظت کر سکے۔ اسی مفہوم کو لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

ایک جگہ ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ (البقرہ:۱۹۴)

"پس جو تم پر زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔"

یہاں وَاتَّقُوا اللّٰهَ سے مطلب یہ ہے کہ بدلہ لینے میں اپنے حق سے تجاوز نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے قائم کیے ہوئے حدود کے پابند رہو:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○

(المآئدۃ:۸۷،۸۸)

"اے ایمان والو! اللہ نے جو چیزیں تمہارے لیے حلال ٹھہرائی ہیں نہ ان کی پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دو اور نہ حد سے آگے بڑھو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور اللہ نے جو تم کو حلال وطیب چیزیں بخشی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ سے ڈرو، جس پر ایمان لائے ہو۔"

یہاں وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اللہ سے ڈرو) سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام وحلال کے جو حدود ٹھہرا دیے ہیں ان کی پوری پابندی کرو، نہ اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہراؤ نہ حرام کی ہوئی چیزوں کو جائز قرار دو۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اللہ کی نظروں میں مبغوض ہے اور اس کے لیے سخت سزا ہے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ○ (الانفال:۵۶)

''وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے پھر وہ اپنا عہد ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں بچتے۔''

اس آیت میں لَا یَتَّقُوْنَ سے مراد عہد شکنی اور خیانت سے نہ بچنا ہے۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ○ (الطلاق:۴)

''اور حاملہ عورتوں کی مدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کردے گا۔''

اس آیت میں اس بات کو تقویٰ کا کام قرار دیا گیا ہے کہ حاملہ عورت کو اگر طلاق دی جائے تو وضع حمل سے پہلے اس کو گھر سے نہ نکالا جائے اور اس دوران میں اس کے نان نفقہ کی ذمے داری اٹھائی جائے اور ہر طرح کے حسن سلوک کا اس کو حق دار سمجھا جائے:

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ (الطلاق:۱)

''اور عدت کا شمار کرو اور اللہ سے ڈرو، جو تمہارا رب ہے۔ ان کو نہ نکالو ان کے گھروں سے''

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ (الطلاق:۲،۳)

''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے راہ پیدا کرے گا اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔''

متقین کی صفات

اب ہمیں ایک سرسری نظر ان آیات پر بھی ڈالنی چاہیے، جن میں متقین کی خصوصیات و صفات بیان کی گئی ہیں تا کہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ قرآن اصطلاح میں متقی کون لوگ ہیں، فرمایا:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ

وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

(البقرہ: ۱۷۷)

"یہ وفاداری نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف کرو بلکہ وفاداری تو ان کی وفاداری ہے، جو اللہ پر، روزِ آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائیں اور اس کی محبت میں رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کو مال دیں اور گردنوں کو آزاد کرائیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کریں اور خاص کر ثابت قدم رہنے والے مصیبت اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔"

یہ آیت کسی شرح کی محتاج نہیں ہے۔ دین داری اور تقویٰ کے اصلی مقتضیات اس میں پورے بیان ہو گئے ہیں اور ساتھ ہی اس میں ان لوگوں کی پوری تردید بھی ہو گئی ہے، جو دین کے مطالبات میں کچھ رسوم یا بعض احکامات کی پابندی میں مبالغہ کر کے یہ چاہتے ہیں کہ اس زیادتی سے اس کمی کی تلافی کر دیں جو وہ دین کے اصلی مطالبات پورے کرنے میں کر رہے ہیں۔ قرآن نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ یہ وفاداری اور تقویٰ نہیں ہے۔ تقویٰ کے کاموں میں فلاں فلاں کام اصل اور اساس کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر کام یہ ہے کہ مصائب و شدائد اور جنگوں میں حق کے لیے استقامت و عزیمت کا جوہر نمایاں ہو۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ (آل عمران: ۷۶)

"ہاں جو اپنے عہد کو پورا کریں اور ڈریں تو اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اس آیت میں ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے عہد پر قائم رہیں اور بدعہدی سے بچیں، متقی اور محبوبِ خدا قرار دیا گیا ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ (ال عمران: ۱۱۴،۱۱۵)

"اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور نیکی کا حکم کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور وہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں اور جو بھلائی کے کام کریں گے اس کا انکار نہیں کیا جائے گا اور اللہ متقیوں سے باخبر ہے۔"

اس آیت میں ایمان باللہ، ایمان بالآخرت، نہی عن المنکر، مسابقت فی الخیرات کو متقین اور صالحین کی صفات میں گنایا گیا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (ال عمران: ۱۳۳،۱۳۴)

"اور سبقت کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اُس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کی طرح ہے اور ان متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو فراخی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں، غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ محسنوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اس آیت میں متقیوں کی خاص صفات یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ تنگی اور فراخی ہر حال میں لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دشمنوں کے لیے بھی ان کے اندر رحم و شفقت اور عفو در گزر رہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَمْ

يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (التوبہ:۴)

''مگر وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے، مشرکین میں سے، پھر انھوں نے کوئی کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی توان کے عہد کو ان کی مدت تک پورا کرو، اللہ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس آیت میں عہد کی پابندی کرنے والوں کو متقی اور محبوبِ خدا کہا گیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى
الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (القصص:۸۳)

''یہ دارِ آخرت ہم ان لوگوں کے لیے خاص کریں گے، جو زمین میں تکبر نہیں کرتے اور فساد نہیں مچاتے اور انجام کار کی کامیابی متقیوں کے لیے ہے۔''

اس آیت میں ان لوگوں کو متقی کہا گیا ہے، جو خدا کی زمین میں خدا کے قانون کی پیروی کرتے ہیں اور اس میں فساد نہیں مچاتے یعنی خدا کے قانون کو درہم برہم نہیں کرتے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ
مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِىْٓ اَمْوَالِهِمْ
حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (الذّٰریٰت:۱۵-۱۹)

''متقی لوگ باغوں اور چشموں کے بیچ ہوں گے سرفراز ان نعمتوں سے جو ان کے رب نے بخشی ہوں گی۔ بے شک وہ لوگ اس سے پہلے محسن تھے، راتوں میں کم ہی سوتے تھے، پھر وہی رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا۔''

اس آیت میں متقیوں کی صفات یہ گنائی گئی ہے کہ وہ تہجد پڑھتے ہیں، صبح کو استغفار کرتے ہیں، اپنے مالوں میں سے سائلوں اور محروموں کا حق نکالتے ہیں۔

تقویٰ، اِتقاء اور متقی کی جو صفات قرآن مجید نے بیان کی ہیں وہ ایک موزوں ترتیب

کے ساتھ ہم نے پیش کر دی ہیں۔ اس پر ایک نظر ڈال کر ہر شخص بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ تقویٰ کے جو لوازم آج سمجھ لیے گئے ہیں اُن کو اس تقویٰ سے کوئی نسبت نہیں ہے، جس کا مطالبہ قرآن مجید نے کیا ہے۔

قرآن مجید جس چیز کو تقویٰ قرار دیتا ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی کرے اور اس ڈر سے کرے کہ آج کی ادنیٰ سے ادنیٰ کوتاہی کا بھی ایک روز اللہ کو حساب دینا ہے اور اس دن نہ کسی کی دوستی کام آئے گی نہ کسی کی سعی و سفارش کچھ نفع پہنچائے گی۔ صرف آدمی کے نیک اعمال کام آئیں گے اور خدا کی رحمت وعنایت۔

تقویٰ کی حقیقت احادیث کی روشنی میں

احادیث کے متعلق ایک اصولی بحث

پچھلی فصل میں ہم نے تقویٰ کی حقیقت پر قرآن مجید سے بحث کی ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں بھی دیکھ لیا جائے کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے۔ لیکن احادیث پر غور کرنے سے پہلے احادیث کے متعلق ایک اصولی حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے، وہ یہ کہ جس طرح اللہ کے رسولوں کے درمیان تفریق ناجائز ہے، ہم یہ نہیں کر سکتے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی کا انکار کر دیں، جس طرح قرآن مجید کی آیتوں میں فرق کرنا حرام ہے ہم کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے کچھ حصہ کو حجت و استدلال کے لیے اختیار کر لیں اور کچھ کو چھوڑ دیں اسی طرح یہ بات بھی بالکل ناجائز ہے کہ رسولؐ کے اقوال وارشادات میں سے کچھ کو ہم اپنے عمل یا استدلال کے لیے اختیار کر لیں اور کچھ کو نظر انداز کر دیں۔ ان تمام صورتوں میں بعض کو چھوڑنا سب کو چھوڑنے کے ہم معنی ہے، اور نہایت بے وقوف ہے وہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات میں اس طرح کی تقسیم کرتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس طرح کی تفریق و تقسیم کا فتنہ آج عام ہے۔ کتنے مسلمان ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اسی طرح کی تفریق کر کے اپنے زعم میں نہایت متقی بنے پھر رہے ہیں حالانکہ وہ اگر آپؐ کی تعلیمات پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالیں تو انھیں معلوم ہو کہ تقویٰ تو درکنار ان کا ایمان و اسلام بھی معرض خطر میں ہے۔ اسی طرح کی تقسیم و تفریق کا یہ کرشمہ ہے کہ بعض دعاؤں اور بعض نوافل پر جو کسی بڑے اجر و ثواب کا ذکر احادیث میں آیا ہے تو بعض لوگ اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص بھی اس دعا یا نفل

کا التزام کرے گا اس کے لیے یہ اجر و ثواب اور یہ درجہ و مقام ہے خواہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اس کا رویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق ہو یا نہ ہو، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔

بعض نوافل اور بعض اوراد پر جو بڑی بڑی برکتوں کا احادیث میں ذکر آیا ہے یہ اُن لوگوں کے لیے ہے، جو اپنی ساری زندگی کو حدودِ شریعت کے اندر رکھتے ہوئے اِن اوراد و وظائف کا التزام کرتے ہیں ورنہ ہو سکتا ہے کہ ایک طرف کوئی شخص کسی وظیفہ یا نفل کا پابند ہو اور دوسری طرف اس کی کمائی حرام کی ہو، ایک طرف تو وہ رات بھر نفلیں پڑھتا ہو اور تسبیحیں گرداننا ہو لیکن دوسری طرف وہ سارا دن کسی نظام باطل کی خدمت و اطاعت میں بسر کرتا ہو، ایک طرف تو نمازوں میں اس کی پنڈلیاں سوج جاتی ہوں لیکن دوسری طرف اس کے پڑوسیوں اور اس کے اقرباء کو اس کے فتنوں سے کسی وقت امان نہ حاصل ہو۔ ایسے شخص کے لیے اپنے اوراد و وظائف سے تقویٰ کا درجہ حاصل کرنا تو الگ رہا، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بھی معتبر نہیں ہے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر ایک طرف یہ فرمایا ہے کہ فلاں فلاں دعاؤں سے آدمی کے اتنے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو دوسری طرف یہ بھی فرمایا ہے کہ حرام خور کی کوئی دعا بھی قبول نہیں ہوتی، اگر ایک طرف یہ ارشاد فرمایا ہے کہ راتوں کو جگ کر نفلیں پڑھنے کا یہ اجر و ثواب ہے تو دوسری طرف یہ بھی فرمایا ہے کہ یتیم کا حق ہڑپ کرنے والا اپنا ایمان بھی ضائع کر دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے رسول کے احکام و ہدایات میں سے کچھ باتیں منتخب کر لی ہیں اور ان پر عمل کر کے مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ وہ متقی بن گئے ہیں، وہ سخت مغالطہ اور فتنہ میں مبتلا ہیں۔

اللہ کا رسول کوئی دکان دار بن کر نہیں آتا کہ آپ کو اس کی دکان کا جو مال پسند آئے وہ خرید لیں، وہ تو آپ کی زندگی کے لے واجبُ الاطاعت ہادی بن کر آتا ہے کہ نقد دل اور نقد جان دونوں اس کی نذر کیجیے اور زندگی کے ہر گوشے میں اسی کے نمونے کی پیروی کیجیے۔

اور غور کیجیے تو یہ بات بالکل عقل و فطرت کے مطابق ہے، اگر کہا جائے کہ جو کسان ایک دانہ زمین پر ڈالتا ہے وہ دس پاتا ہے تو اس کے معنی ہر گز یہ نہیں ہیں کہ یہی نتیجہ اس صورت میں بھی برآمد ہوگا، جب کہ بیج سڑا ہوا ہو اور کسی زرخیز زمین کے بجائے کسی بنجر زمین میں ہی ڈال دیا گیا ہو، یا تخم ریزی کے موسم کی بجائے بالکل بے وقت اور بالکل خلاف موسم ہی پھینک دیا گیا ہو یا

بیج ڈالنے کے بعد ارضی وسماوی آفتوں سے اس کے بچانے کی کوشش بھی نہ کی گئی ہو، بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ جو کسان کشت کاری کی شرطیں پوری کرتا ہے اس کے لیے قانون قدرت نے یہ برکت رکھی ہے کہ وہ ایک دانہ بو کر اس کے صلہ میں دس پاتا ہے۔ باقی رہا وہ احمق دہقان جو صبح کو تخم ریزی کرتا ہے اور شام کو جا کر اس پر ہل چلا دیتا ہے تو کھتے بھرنا تو الگ رہا وہ اپنی محنت اور سرمایہ بھی برباد کرتا ہے اور پڑوسیوں کے طعنے بھی سنتا ہے۔

یہی حال ان مسلمانوں کا ہے، جو کسی نیکی کے کلمہ یا تقویٰ کے کام کو برّ وتقویٰ کا اصل مقام سمجھے بیٹھے ہیں اور اس امر کی انھیں بالکل خبر نہیں ہے کہ اپنی تقویٰ کی عمارت شب میں وہ جتنی اونچی کرتے ہیں دن میں اپنے اعمال کے ہاتھوں اس سے زیادہ اس کو ڈھا دیتے ہیں۔ یہ سادہ لوح یہ تو جانتے ہیں کہ فلاں کلمہ کو اتنی بار پڑھ لینے سے یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور فلاں وقت اتنی رکعتیں نفل کی ادا کر لینے سے یہ ثواب ملتا ہے لیکن یہ بالکل نہیں جانتے کہ جس رسول نے یہ باتیں بتائی ہیں اسی نے یہ بھی بتایا ہے کہ فلاں فلاں باتیں کرنے سے آدمی کی ساری سعی اکارت ہو جاتی ہے۔

احادیث کے متعلق یہ اصولی حقیقت پیش نظر رکھ کر آپ حدیثوں پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ تقویٰ کی حقیقت ہم نے قرآن مجید سے متعین کی ہے، اسی کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی ہوتی ہے یعنی یہ تقویٰ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود کی کامل نگہداشت کا نام ہے۔ یہ زندگی کی شاہ راہ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، بلکہ زندگی کو خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کے اندر بسر کرنے کا ہی نام تقویٰ ہے، یہ کسی درجہ میں بھی زندگی کے مطالبات ومقتضیات کی نہ تو نفی کرتا ہے نہ ان میں مزاحم ہوتا ہے۔

البتہ یہ زندگی کے کسی مطالبے کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی فطری یا اخلاقی حدود سے متجاوز ہو کر فرد یا معاشرے کو کسی مادی یا اخلاقی مہلکہ میں ڈال دے، یہ نہ تو فطری قابلیتوں کی راہ میں کوئی عائق ہے نہ نفس کی خواہشوں میں کوئی خواہ مخواہ کی رکاوٹ اور نہ دل ودماغ اور سمع وبصر کی جولانیوں اور بلند پروازیوں کی یہ راہ مارنا ہے اس کا کام صرف یہ ہے کہ ان کی کارفرمائی کے لیے ایک صراطِ مستقیم سامنے کر دیتا ہے اور اس کے ہر طرف نشانِ راہ قائم کر دیتا ہے تاکہ کسی منزل میں انسان بے راہ روی میں پڑ کر اپنے نفس پر یا دوسروں پر کوئی ظلم نہ کر سکے۔

چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں جس قوت و شدت کے ساتھ لوگوں کو تقویٰ کی تعلیم فرمائی ہے اسی قوت کے ساتھ تقویٰ کے ان غلط رجحانات کو روکا ہے جو کسی نوعیت سے فطرتِ انسانی کی ترقیوں کی راہ میں مزاحم ہو سکتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو کبھی پسند نہیں فرمایا کہ حدودِ الٰہی کی حفاظت و نگہ داشت کے سوا اس کی کوئی خاص صورت وہیئت قرار پائے اور لوگ باسمِ تقویٰ اِس کو بُت بنا کر پوجیں نیز اس بات کی بھی نہایت واضح الفاظ میں تصریح فرمائی ہے کہ تقویٰ کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جس کو زہد اور ترک دنیا سے کوئی خاص لگاؤ ہو، بلکہ اللہ کے دین پر چلنے اور چلانے کی ہر جدوجہد اور خدا کی شریعت کو سمجھنے اور سمجھانے کی ہر کوشش تقویٰ ہی کی راہ میں جہاد ہے۔

تقویٰ کی حد

احادیث کی روشنی میں تقویٰ کی حقیقت سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ دیکھیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کی حد کیا بیان فرمائی ہے۔ نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے:

قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الحلال بیّنٌ والحرام بیّنٌ وبینهما مشتبهات لا یعلمهنّ کثیرٌ مّن الناس فمن اتقیٰ الشبهات استبرء لدینهٖ وعرضهٖ و من وَقَعَ فی الشبهات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمیٰ یوشک ان یّقع فیه الاوَانّ لِکل ملکٍ حِمیٰ الاو اِنّ حمی اللّٰه محارمُهٗ (متفق علیہ)

”کہا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔ جو ان مشتبہ چیزوں سے بچا وہ اپنے دین اور آبرو کو بچا لے گیا اور جو شبہات میں پڑا وہ حرام میں مبتلا ہوا، جس طرح وہ چرواہا جو چراگاہ کے پاس اپنا گلہ چراتا ہے اغلب کہ اس کا گلہ چراگاہ میں پڑ جائے اور اللہ کا محفوظ علاقہ اس کے محارم ہیں۔“

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ جو چیزیں حلال ہیں

وہ واضح طور پر معلوم ہیں اور جو چیزیں حرام ہیں اُن کی بھی اللہ کی کتاب وسنت میں تصریح کر دی گئی ہے۔ پس یہ مطالبہ تو ہر مسلمان سے ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال اور اس کی حرام کی ہوئی چیز کو حرام قرار دے اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، لیکن حلالِ ظاہر اور حرامِ ظاہر کے درمیان کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی نسبت قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حرام ہیں یا حلال، ایسی صورتوں میں جو شخص احتیاط کے پہلو کو اختیار کرے اور مشتبہ میں نہ پڑے تو وہ متقی مسلمان ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ جو لوگ اونٹ کو نگلنے کے بعد مچھر کو چھان کر تقویٰ کی نمائش کرتے ہیں ان کا تقویٰ محض فریب ہے۔

تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام وحدود کا پورا پورا پابند ہو، اور جب اس کے سامنے کوئی ایسی چیز آئے، جس میں جانبِ حق اس پر پوری طرح واضح نہ ہو تو وہ اشتباہ کے پہلو کو چھوڑ کر طمانیت کے پہلو کو اختیار کرے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ متقی ہے اور اس کا دین اور اس کی آبرو ہر تہمت اور اشتباہ سے محفوظ ہے۔

اس حقیقت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے اور چونکہ تقویٰ کی اصل حد متعین کرنے میں ان احادیث سے خاص مدد مل سکتی ہے اس وجہ سے ہم ان میں سے بعض یہاں نقل کیے دیتے ہیں:

عن وابصة بن معبد ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم قال یاوابصة جِئتَ تسئل عن البرّ والاثم قلت نعم قال فجمع اصابعه فضرب بها صدری وقال استفت نفسک استفتِ قلبک ثلاثا۔ اَلبِرُّما اطمأنت الیه النفس وا طمان الیه القَلبُ والاثم ماحاک فی النفس وتردد فی الصّدر وان افتاک الناس۔ (رواہ احمد والدارمی)

"حضرت وابصہ بن معبدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے وابصہ تم برّ واثم کی حقیقت پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں رسول اللہ ﷺ۔ آپؐ نے اپنا پنجہ برابر کیا اور اس کو میرے سینہ پر مارا اور فرمایا: اپنے نفس سے پوچھو،

اپنے دل سے سوال کرو۔ (تین مرتبہ فرمایا) تقویٰ وہ ہے، جس پر تمہارا نفس اور تمہارا دل مطمئن ہو جائے اور اثم وہ ہے، جو دل میں کھٹکے اگرچہ لوگوں نے اس ک جواز کا فتویٰ دے دیا ہو۔"

وابصہ بن معبدؓ کا یہ سوال بھی اس حالت سے متعلق ہے جب کہ آدمی کے سامنے حق کا پہلو پوری طرح واضح نہ ہو۔ ایسی صورت میں تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اُس پہلو کو اختیار کرے، جس میں دل طمانیت محسوس کرے اور اس پہلو سے احتراز کرے، جس میں طبیعت کو خلش محسوس ہو۔

ایک دوسری روایت میں اسی مضمون کی مزید شرح ہے کہ ایک متقی کے لیے بسا اوقات اندیشۂ معصیت سے بچنے کے لیے ان چیزوں سے بھی احتیاط کرنی پڑتی ہے جن میں بظاہر کوئی حرج نہیں ہوتا:

لا یبلغ العبدان یکون من المتقین حتّٰی یدع مالا باس بہ حذراً لمابہ باسٌ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

"کوئی بندہ متقیوں میں سے نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس چیز کی وجہ سے جس میں اس کو اندیشہ ہو ایسی بعض چیزوں سے احتراز نہ کرے جن میں بظاہر اندیشہ نہیں ہے۔"

عن الحسن بن علیؓ قال حَفِظْتُ من رّسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دع ما یریبک الیٰ مالا یریبک فان الصدق طمانیۃ وان الکذب ریبۃٌ۔ (رواہ احمد والترمذی)

"حسن بن علیؓ سے روایت ہے، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات محفوظ رکھی ہے کہ اس پہلو کو چھوڑو جو خلجان میں ڈالتا ہے۔ صحیح چیز طمانیت بخشتی ہے اور غلط چیز خلجان میں ڈالتی ہے۔"

ان ساری حدیثوں میں ایک ہی حقیقت بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی ہر گوشۂ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام وحدود کی پوری پابندی کرے اور جہاں کہیں اس کے سامنے کوئی ایسی بات آئے، جس کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں کوئی قطعی بات وہ نہ کہہ سکے تو اپنے دل سے استفتاء کرے اور اس پہلو کو اختیار کرے، جس پر اس کا دل طمانیت محسوس کرے۔

اس پہلو کو نہ اختیار کرے، جو اس کے دل میں کھٹکے۔ جو شخص اس احتیاط کے ساتھ اپنی زندگی میں حدودِ الٰہی کی نگرانی کر رہا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق متقی ہے۔

لیکن گناہ سے بچنے کے لیے جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاط کے پہلو پر اس حد تک زور دیا ہے وہیں تقویٰ کا صحیح توازن قائم رکھنے کے لیے اس امر کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ یہ احتیاط کہیں وسوسہ کی شکل اختیار نہ کرنے پائے ورنہ اس کے ڈانڈے نصاریٰ کی رہبانیت سے مل جائیں گے۔ چنانچہ قبیصہ بن ہلبؓ سے روایت ہے:

عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال سألت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عن طعام النصاریٰ وفی روایة سألهٗ رجل فقال ان من الطعام طعاماً اتحرج منه فقال لا یتخلجن فی صدرک شئی ضارعت فی النصرانیة۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"حضرت قبیصہ بن ہلبؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نصاریٰ کے کھانوں کے متعلق دریافت کیا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ سے کسی اور شخص نے پوچھا کہ کھانوں میں سے بعض ایسے ہیں جن سے میرے دل میں کھٹک پیدا ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تمہارے دل میں کوئی ایسی کھٹک نہ پیدا ہو جو نصاریٰ کی رہبانیت سے مشابہ ہو"۔

اس حدیث کو اوپر کی احادیث سے ملا کر دیکھیے تو وہ صحیح اور متوازن تقویٰ بالکل ممیز ہو کر سامنے آ جاتا ہے، جس میں نہ تو اشتباہ کی صورت میں میلان الی المعصیت کا شائبہ ہے اور نہ اس میں احتیاط کی بے اعتدالی اور متقشفانہ وہمی پن کی کوئی آمیزش ہے بلکہ تقویٰ کی جو اصل حقیقت ہے بالکل تول کر سامنے رکھ دی گئی ہے۔

احتیاط میں جب وسوسہ کو دخل ہو جاتا ہے تو اس سے وہ راہبانہ تقویٰ وجود میں آتا ہے، جو اللہ و رسول کو اسی طرح ناپسند ہے، جس طرح حدودِ الٰہی کے احترام میں رخصت پسندی اور سہل انکاری ناپسند ہے۔

تقویٰ اور زندگی کے مطالبات

اب ان احادیث پر غور فرمایئے جن سے اس بات کی نہایت واضح تردید ہوتی ہے کہ تقویٰ کسی نوعیت سے بھی زندگی کے مطالبات ومقتضیات کی نفی کرتا ہے:

عن عثمان مظعون قال یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ائذن لنافی الاختصاءِ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیس منامن خصیٰ ولا اِختصیٰ ان خصی اُمّتی الصیام فقال ائذن لنا فی السّیاحۃ فقال ان سیاحۃ اُمتی الجہاد فی سبیل اللّٰہ فقال ائذن لنا فی الترھب فقال ان ترھب اُمّتی الجلوس فی المساجدالانتظار الصّلوٰۃ۔

(رواہ فی الشرح السنۃ)

’’حضرت عثمان بن مظعونؓ سے روایت ہے انھوں نے کہایارسول اللہ ہم کوخصّی ہوجانے کی اجازت دیجیے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے خصّی کیااور جوخصّی ہووہ ہم میں سے نہیں ہے، میری امت کاخصّی ہوناروزہ رکھنا ہے۔کہا، اچھاتو بن باس ہونے کی اجازت دیجیے،فرمایا: میری امت کابن باس ہونایہ ہے کہ وہ راہ خدامیں جہاد کرے۔کہااچھاتو ترک دنیا کی اجازت دیجیے۔فرمایا: میری امّت کے لیے نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا’’ترک دنیا‘‘ ہے۔‘‘

بعض لوگوں کو جنھوں نے تقویٰ کے غلط تصور میں مبتلا ہوکر زندگی کے مطالبات و ضروریات میں عدم توازن پیدا کردیا تھااور زہدوعبادت کی طرف جھک پڑے تھے۔حضورؐ نے نہایت سختی کے ساتھ ٹوکااوران کومتوازن زندگی بسر کرنے کی ہدایت فرمائی:

عن عبداللّٰہ بن عمر و بن العاص قال قال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا عبداللّٰہ الم اخبر اٰنک تصوم النّھار وتقوم اللیل فقلت بلیٰ یارسول اللّٰہ قال فلا تفعل صُم وافطروقم ونم فانّ لجسدک علیک حقًا وان

لعينك عليك حقاً وانّ لزوجك عليك حقاً وان لزورك عليك حقًّا۔

”عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ تم دن کو روزے رکھتے ہو اور رات بھر نمازیں پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ صحیح ہے یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو، کبھی روزہ رکھو کبھی افطار کرو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی، کیوں کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری جورو کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے۔“

مباحات سے انتفاع تقویٰ کے منافی نہیں ہے

بعض لوگ مباحات(۱) اور رخصتوں سے مستفید ہونا شان تقویٰ کے منافی سمجھتے ہیں اور ہر منزل میں اپنا ڈیرہ سنگلاخ زمین میں ہی ڈالنا کمال دین داری سمجھتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس غلط فہمی کا بھی ازالہ فرمایا ہے:

عن عائشة قالت صنع رسول اللّٰه صلى اللّٰه وسلم شيئًا فرخص فيه فتنه عنه قوم فبلغ ذٰلك رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فخطب فحمد اللّٰه ثم قال مابال اقوامٍ يتنزهون عن الشئ اصنعه فواللّٰه انّي لا علمهم باللّٰه واشد هم لهٗ خشية۔ (متفق علیہ)

”حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا پھر اس میں رخصت دے دی تو بعض لوگ اس رخصت سے فائدہ اٹھانے میں احتراز

---

(۱) اوپر ایک روایت ہم نے نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کے لیے اندیشۂ معصیت سے بعض ایسی چیزیں بھی چھوڑنی پڑتی ہیں جن میں بظاہر کوئی حرج نہیں ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب امر حق مشتبہ ہو۔ ایسی صورت میں بلاشبہ تقویٰ یہی ہے کہ آدمی احتیاط کا پہلو اختیار کرے اور مباح مشتبہ سے فائدہ نہ اٹھائے لیکن جس مباح یا رخصت پر قلب مطمئن ہے محض اس خیال سے اس کو چھوڑنا کہ اصلی دین داری سخت راہ اختیار کرنے ہی میں ہے، یہ تقویٰ سے دھینگا مشتی ہے۔

کرنے لگے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپؐ نے خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر فرمایا: بعض لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ان کاموں کو کرنے سے احتراز کرتے ہیں جن کو میں خود کرتا ہوں، خدا کی قسم میں اُن سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور ان سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔"

ابوداوٗد میں ایک روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے:

عن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ وسلم کان یقول لَا تشدّدو اعلیٰ انفسکم فیشدد اللّٰہ علیکم فان قوماً شددو اعلیٰ انفسھم فشدد اللّٰہ علیھم فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیار رھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنا ھاعلیھم۔

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اپنے اوپر سختی مت کرو کہ اللہ بھی تم پر سختی کرنے لگے۔ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی، انہی کی یادگاریں کلیساؤں اور گرجوں میں دیکھ رہے ہو۔ یہ ان کی گھڑی ہوئی رہبانیت ہے، جس کو اللہ نے ان پر فرض نہیں کیا۔"

یہ حدیثیں اس بات کا صاف ثبوت ہیں کہ جس طرح رخصتوں کی تلاش اور مباحات سے فائدہ اٹھانے میں جانب حق سے بے پروائی تقویٰ کے خلاف ہے اسی طرح دین میں خواہ مخواہ سختی اور تشدد کے پہلو کا التزام بھی تقویٰ کے منافی ہے، تقویٰ کی راہ اس سہل انکاری اور اس تشدد پسندی کے بیچ سے ہو کے نکلی ہے۔

تقویٰ اور کثرتِ نوافل

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ کا اصلی کام زہد و عبادت ہے، آدمی کسی گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے، نمازیں پڑھے، روزے رکھے، اوراد و نوافل میں مشغول رہے۔ بس یہ کام اصلی تقویٰ کے کام ہیں، ان کے علاوہ جو کام ہیں اگرچہ وہ دین کے کام ہوں لیکن موجودہ زمانے کے اربابِ تقویٰ ان کو تقویٰ کے کام نہیں سمجھتے۔ تقویٰ کا جزوِ اعظم ان کے ہاں عبادت ہے۔ جو شخص اس چیز میں جتنا ہی اضافہ کرتا جائے گا تقویٰ میں اسی قدر اس کے مدارج بلند ہوتے جائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح الفاظ میں اس غلط رجحان کی بھی تردید فرمائی ہے:

عن انس قال جاءِ ثلثة رهط الی ازواج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یسئلون عن عبادته فلمّا اخبروابها کانّهم تقالُّوها فقالوا این نحن من النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وقد غفر اللّٰه لهٗ ما تقدم من ذنبه وماتاخر قال احدهم اما انا فاصلی اللیل ابداً۔ وقال الاٰخر انا اصوم النهار ولا افطر وقال الاٰخر انا اعتزل النساء فلااتزوج ابداً فجاءَ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال انتم الذین قلتم کذاو کذاأمَا واللّٰه انی لا خشاکُمُ اللّٰه واتقاکم لهٗ ولکنی اصوم وافطرواصلی وارقدو اتزوج النساء فمن رغب عن سُنّتی فلیس منّی۔ (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس تین جماعتیں آپؐ کی عبادت کا حال پوچھنے آئیں۔ جب ان کو آپؐ کی عبادت کا پورا پورا حال بتایا گیا تو کچھ ایسا ظاہر ہوا کہ یہ ان کی نظر میں بہت کم ہے۔ پھر وہ بولے" ہمارا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا؟ آپؐ کے تو تمام اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے جاچکے ہیں۔" پھر ان لوگوں میں سے ایک شخص بولا: میں ہمیشہ رات بھر عبادت کروں گا۔ ایک دوسرا بولا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ ایک تیسرے نے کہا میں عورتوں سے بالکل قطع تعلق کرلوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگئے آپؐ نے فرمایا: تم ہی لوگ یہ کہہ رہے تھے۔ خدا کی قسم میں تم میں سے کہیں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس سے تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں لیکن اس کے باوجود روزے بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، نمازیں بھی پڑھتا ہوں، آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میرے طریقے سے انحراف کیا وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے:

عن الحسن قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم ان رجلین کانافی بنی اسرائیل احد هما کان عالماً یصلی المکتوبة ثم یجلس فیعلم الناس الخیرو الاٰخریصوم النهار و یقوم قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم فضل هٰذا العالم الذی یصلی المکتوبة ثم یجلس فیعلم الناس الخیر علی العابد الذی یصوم النهار ویقوم اللیل کفضلی علیٰ ادناکم۔ (متفق علیہ)

"حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کی بابت دریافت کیا گیا، ایک عالم تھا جو فرض نمازیں پڑھ کر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا اور دوسرا دن میں روزہ رکھتا اور شب میں نمازیں پڑھتا تھا ان میں کون افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عالم جو فرض پڑھ کر لوگوں کی تعلیم میں مشغول ہو جاتا ہے اُس عابد پر جو دن میں روزے رکھتا ہے اور شب میں عبادت کرتا ہے وہی فضیلت رکھتا ہے، جو میں تم میں سے ادنیٰ ترین فرد پر رکھتا ہوں۔"

عن ابن عباس قال تدارس العلم ساعة من اللیل خیرمن احیائها۔ (رواہ الدارمی)

"حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شب میں ایک گھنٹہ علم کا مذاکرہ تمام رات عبادت کرنے سے بہتر ہے۔"

عن عبداللّٰہ بن عمرو انّ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم مَرَّ بمجلسین فی مسجدہٖ فقال کِلاهما علٰی خیرواحدهما افضل من صاحبه اماهٰؤلاء فید عون اللّٰہ ویرغبون الیه فان شاء اعطاهم وان شاء منعهم۔ اماهٰؤلاء

فیتعلمون الفقہ والعلم ویعلمون الجاھل فھم افضل وانما بعثت معلما فجلس فیھم۔

''عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں دو جماعتیں دیکھیں اور فرمایا، دونوں اچھے کام کررہی ہیں لیکن ایک دوسری سے افضل ہے، یہ لوگ اللہ کو یاد کررہے ہیں اور اس کی طلب میں لگے ہیں، اگر اللہ چاہے گا انھیں بامراد کرے گا اور اگر چاہے گا محروم کرے گا۔ رہے یہ دوسرے لوگ تو یہ علم دین کے سمجھنے میں لگے ہیں (یا علم دین حاصل کررہے ہیں) اور جاہلوں کو تعلیم دے رہے ہیں، یہ لوگ ان سے افضل ہیں اور میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ کہہ کر انہی کے ساتھ بیٹھ گئے۔''

ان تمام روایات سے ثابت ہے کہ زندگی کو ایک توازن کے ساتھ اللہ کے حدود کے اندر بسر کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ ایک شخص اگر فرض ادا کرکے اپنا بقیہ سارا وقت دین کے سیکھنے سکھانے اور اس کی اقامت کی جدوجہد میں صرف کررہا ہے تو وہ ان لوگوں سے کہیں زیادہ متقی ہے، جو رات رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے ہیں لیکن تعلیم دین یا اقامت دین کی جدوجہد میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

محرمات ومشتبہات سے اجتناب

ایک نہایت غلط رجحان تقویٰ کے متعلق یہ بھی لوگوں میں پیدا ہوگیا ہے کہ محرمات سے اجتناب کو لوگ تقویٰ کے لیے اتنا ضروری نہیں سمجھتے جتنا نوافل کی زیادتی کو سمجھتے ہیں حالاں کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، تقویٰ میں اصل شئے جس کا اہتمام مطلوب ہے محرمات و مشتبہات سے اجتناب ہے، اس کے بغیر کوئی شخص کتنی ہی عبادتیں کرے تقویٰ کے مقام کو نہیں حاصل کرسکتا۔ اس زمانے میں ہم عام طور پر دیکھ رہے ہیں کہ نظام باطل کی خدمت کرنے والے، دنیا پرست اُمراء کی خوشامدیں کرنے والے، حرام کے اندوختوں پر زندگیاں بسر کرنے والے، اپنی نسلوں کو خدمت طاغوت کے لیے تیار کرنے والے محض اس بنیاد پر تقویٰ کے مدعی بنے بیٹھے ہیں کہ انھوں نے کچھ اوراد و نوافل کا اہتمام کررکھا ہے اور ہر وقت ہاتھوں میں تسبیحیں لٹکائے پھرتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط فہمی کی بھی اصلاح فرمائی ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم من يا خذ عنّی هٰذه الكلمات فيعمل بهِنّ اويعلّم من يعمل بهنّ قلت انايارسول اللّٰه فاخذبيدی وعدّ خمسًا فقال اِتّقِ الْمحارم تكن اعبَدَالناس۔ (الحدیث)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون مجھ سے یہ باتیں لے کر عمل کرے گا، یا عمل کرنے والوں کو سکھائے گا۔ میں نے عرض کیا میں یارسول اللہ! آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ چیزیں گنائیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ تھی کہ حرام چیزوں سے پرہیز کر سب سے بڑا عابد بن جائے گا۔''

عن جابر قال ذكر رجل عندرسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم بعبادة واجتهاد وذكراخربرعة۔ فقال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم لاتعدل بالرعة يعنی الورع۔ (رواہ الترمذی)

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی عبادت کا اور ذکر الٰہی میں سرگرمی کا ذکر کیا گیا اور ایک دوسرے شخص کے محرمات و مشتبہات سے اجتناب کا، آپؐ نے فرمایا: عبادت کو پرہیزگاری کے برابر نہ کرو۔''

عن ابی هريرة قال قال رجل يارسول اللّٰه ان فلانة تذكرمن كثرة صلاتها وصيامها وصدقتها غيرانّها توذی جيرانِها بلسانها قال هی فی النار قال يارسول اللّٰه فان فلانة تذكر قلة صيامها وصدقتها وصلوتها وانّها تصدقالا ثوارمن الافظ ولاتوذی بلسانها جيرانها قال هی فی الجنة۔ (رواہ احمد والبیہقی)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا فلاں بی بی کی نماز، روزے اور صدقہ کی بڑی دھوم ہے لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بدزبانی کرتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں پڑے گی۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ فلاں عورت کے روزے،

نماز اور صدقہ کی کمی کی شکایت ہے اور کچھ پنیر کے ٹکڑے وغیرہ صدقہ کر دیتی ہے لیکن پڑوسیوں کے ساتھ بدزبانی نہیں کرتی۔ حضورؐ نے فرمایا وہ جنت میں داخل ہوگی۔''

تقویٰ اور مظاہرِ تقویٰ

بعض لوگ بعض مظاہرِ تقویٰ کو عین تقویٰ سمجھ بیٹھے ہیں اور اپنا سارا زور انہی چیزوں پر صرف کرتے ہیں۔ مثلاً ازار کا ٹخنوں سے اونچا ہونا، ڈاڑھی کا لمبا ہونا، لبوں کا ترشا ہوا ہونا، پھر اپنے جی سے اس فہرست میں اس کے اور مناسبات بھی جمع کر لیتے ہیں، مثلاً صورت کی خستہ حالی، لباس کی بدوضعی، لب ولہجہ کی مصنوعی مسکینی، ملنے جلنے میں اظہارِ تذلل، اٹھنے بیٹھنے میں نمائشِ تقویٰ اور قیام وقعود میں اظہارِ خشیت، ان کا تقویٰ بس انہی چیزوں سے عبارت ہوتا ہے اور انہی چیزوں کو پیمانہ بنا کر اسی سے وہ دوسروں کو ناپتے ہیں اور جن کے اندر یہ باتیں اپنے معیار کے مطابق نہیں پاتے ان کو حقیر خیال کرنے لگتے ہیں، حالانکہ بسا اوقات ان لوگوں کی زندگیاں جن کو یہ حقیر سمجھتے ہیں حدودِ الٰہی کے احترام میں ان سے زیادہ متوازن ہوتی ہیں لیکن چوں کہ تقویٰ کی بعض اشکال میں یہ ان کے معیار پر پورے نہیں اترتے اس وجہ سے یہ لوگ ان کو خاطر میں نہیں لاتے۔

ان لوگوں کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے گھر کے چراغ کو اس کی مرکزی جگہ سے اتار کر کسی ایک گوشہ میں رکھ دے اس کا نتیجہ یہ تو ضرور ہوگا کہ گھر کا گوشہ زیادہ روشن ہو جائے گا لیکن دوسرا نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ بقیہ گھر بالکل تاریک ہو جائے گا۔ اس کے برعکس دوسرا شخص جو اپنے گھر کے چراغ کو اس کی مرکزی جگہ ہی پر رکھتا ہے اگرچہ اس کے گھر کا کوئی گوشہ زیادہ منور تو نہیں ہوگا لیکن اس کے تمام اطراف میں روشنی ایک موزوں مقدار میں پھیلے گی پس جو لوگ بعض مظاہرِ تقویٰ کو عین تقویٰ سمجھ بیٹھتے ہیں وہ اپنے تقویٰ کے چراغ کو اپنے دل کے طاق سے جو مرکز ہے، اتار کر اپنے جسم کے اطراف میں سے کسی گوشہ میں رکھ دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا وہ طرف تو روشن ہو جاتا ہے لیکن بقیہ سارے اطراف میں وہی تاریکی ہوتی ہے جو ایک بے چراغ گھر میں ہوا کرتی ہے۔ جو لوگ اس طرح کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا ہے کہ وہ تقویٰ کا مرکز اطراف واعضاء کو نہیں بلکہ دل کو

بنائیں تاکہ ان کے تمام اطراف روشن ہوں اور ان لوگوں کو حقیر خیال نہ کریں جن کا کوئی ایک گوشہ ہر چند اُن کی طرح روشن نہیں ہے لیکن ان کے کسی گوشۂ زندگی میں بھی ظلمت اور فساد کا شائبہ نہیں ہے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اس حدیث پر غور فرمائیں:

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولایخذله ولایحقره التقویٰ ههنا ویشیر الی صدره ثلٰث مرات) بحسب امرئ من الشئ ان یحقر اخاه المسلم۔ کل المسلم علی المسلم حرام دمهٗ ومالهٗ وعرضهٗ۔

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے چھوڑے، نہ حقیر جانے، تقویٰ یہاں ہے (حضورؐ نے دل کی طرف اشارہ فرمایا)۔ کسی شخص کے لیے یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانتا ہے، مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی، اس کا ناموس بھی۔''

یہ تقویٰ جس کا مرکز دل ہو، جو انسان کی زندگی کے تمام اطراف کو روشن کرے، جو ہر شعبۂ زندگی میں اس کو اللہ کے حدود کا پابند بنائے، جس میں کامل توافق ہو، کامل اعتدال ہو، جو نہ ایک قدم اللہ کی حد سے آگے بڑھنے دے، نہ ایک قدم اس سے پیچھے ہٹنے پر راضی ہو، جو دل کو مجبور کرے کہ وہی سوچے جو سوچنا چاہیے، آنکھوں کو مجبور کرے کہ وہی دیکھیں جو دیکھنا چاہیے۔ کانوں کی نگرانی کرے کہ وہی سنیں جو سننا چاہیے، زبان کی حفاظت کرے کہ وہی بولے جو حق ہے اور ہاتھ پاؤں کی دیکھ بھال کرے کہ اسی راہ میں اٹھیں جو اللہ نے انسان کے لیے کھولی ہیں، بطن وفرج پر پہرہ بٹھادے کہ یہ کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام نہ کرلیں جو خدا کی صحیح معرفت، آخرت کے سچے خوف، احکامِ الٰہی کے سچے جذبۂ احترام کے ساتھ ہو، جو انسان کے ظاہر میں بھی ہو اور اس کے باطن میں بھی ہو، خلوت میں بھی ہو اور جلوت میں بھی ہو، یہ تقویٰ ہے جس کی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ یہی تقویٰ ہے، جو انسانی زندگی کے ہر شعبے کو رونق و جمال

بخشتا ہے۔(اُوصیک بتقویٰ اللّٰہ فانہٗ ازین لامرک کلِّہٖ) یہی تقویٰ ہے، جس کو قرآن میں لباس سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جس طرح لباس آدمی کو سردی و گرمی سے اور میدان جنگ میں خطرات سے بچاتا ہے اسی طرح یہ بھی انسان کو مادی و روحانی مہالک سے بچاتا ہے۔ جس طرح لباس انسان کو زینت و جمال بخشتا ہے اسی طرح تقویٰ بھی انسان کی ساری زندگی کو سنوار دیتا ہے، یہی تقویٰ ہے جس کی تعلیم دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذرؓ کو برابر چھ روز تک متنبہ کرتے رہے کہ غور سے سننا، کچھ باتیں کہنی ہیں اور چھ روز کے بعد زبان حق ترجمان سے جو گویا ہوئی تو پہلی بات یہ ارشاد ہوئی کہ:

اوصیک بتقویٰ اللّٰہ فی سرّ امرک وعلانیہٖ

''میں اللہ سے کھلے اور چھپے ہر حال میں ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔''

تقویٰ کی تعلیم کا طریقہ

اوپر کی دو فصلوں سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ تقویٰ دراصل حدود الٰہی کی نگرانی و حفاظت کا نام ہے۔ جو شخص زندگی کے سفر میں ہر مرحلے پر یہ جاننے کی کوشش کرے کہ خدا نے اس کے بڑھنے اور روکنے کے لیے کیا حدود قائم کیے ہیں اور پھر خدا اور روزِ آخرت کے ڈر سے، خلوت و جلوت میں ان حدود کی نگرانی کرے اور دیدہ و دانستہ کسی حد کو توڑنے کی جرأت نہ کرے وہ متقی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ بات کس طرح حاصل ہو کہ آدمی اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں۔ خواہ اس کا تعلق پرائیویٹ زندگی سے ہو یا پبلک زندگی سے، مسجد سے ہو یا بازار سے، اخلاق سے ہو یا سیاست سے، دوست سے ہو یا دشمن سے، عزیز سے ہو یا بیگانہ سے، علیٰ ہٰذ القیاس ہر حال میں خواہ غصہ میں ہو یا محبت میں، تنگی میں ہو یا فراخی میں، خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کا اس طرح پابند ہو جائے گا کہ اگر کبھی جہالت سے بال برابر بھی اس کی پابندی میں فرق آ جائے تو ہوش آتے ہی اس وقت تک کے لیے اس پر کھانے اور سونے کی لذت حرام ہو جائے جب تک وہ اپنے غلط سمت میں اٹھائے ہوئے قدم کو واپس نہ لے لے اور استغفار و توبہ کے ذریعے سے اصلاح مافات نہ کر لے؟ یہ سوال نہایت اہم ہے۔ اسی سوال کا صحیح جواب دین کے خزانے کی اصلی کلید ہے اور اسی سوال کے جواب سے یہ بات واضح ہوگی کہ ہماری خانقاہیں، جو تقویٰ پیدا کرنے کا واحد ذریعہ خیال کی جاتی ہیں اس مقصد کے لیے کس حد تک مفید ہیں؟

انبیاء علیہم السلام کا خاص کام

دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا گروہ در گروہ ہے۔ جس کا مخصوص کام ہی تقویٰ کی دعوت اور اس کی تعلیم ہے، چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء وحی میں حکم ہوا کہ:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ (المدثر:۱،۲)

"اے چادر لپیٹنے والے کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذمہ پہلے ہی روز جو کام سپرد کیا گیا یہی تھا کہ وہ فرعون کی قوم کو تقویٰ کی دعوت دیں:

اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء:۱۰،۱۱)

"جب کہ تیرے رب نے پکارا موسیٰ کو کہ ظالم قوم کے پاس جاؤ، فرعون کی قوم کے پاس کیا وہ تقویٰ اختیار نہیں کریں گے۔"

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ ہوا ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (الشعراء:۱۰۵-۱۰۸)

"نوحؑ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا، جب کہا ان کے بھائی نوح نے کہ کیا تم تقویٰ نہیں اختیار کرتے، میں تمہارے لیے ایک رسول امین ہوں، پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔"

بعینہٖ یہی بات ہودؑ کی دعوت میں دو مرتبہ، صالحؑ کی دعوت میں دو مرتبہ اور لوط و شعیب علیہم السلام کی دعوت میں دو دو مرتبہ بیان ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ تمام انبیاء کرامؑ کی دعوت کا بالکل ابتدائی نقطہ ہے، ہر نبی جو آتا ہے وہ اپنی قوم کو جس بات کی سب سے پہلے دعوت دیتا ہے۔ وہ یہی بات ہے کہ اے لوگو تقویٰ اختیار کرو، پس تقویٰ کی تعلیم کا صحیح طریقہ معلوم کرنے کے لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ حضراتِ انبیاء کرامؑ لوگوں میں کس طرح تقویٰ پیدا کرتے ہیں۔

انبیاء کا طریقۂ تعلیمِ تقویٰ

ہم نے جہاں تک حضراتِ انبیاءؑ کے طریقۂ تعلیمِ تقویٰ کو قرآن مجید سے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے زمانے کی فسق و فجور سے بھری ہوئی دنیا پر جب نظر ڈالتے ہیں اور انسان

کی خدا سے بغاوت وسرکشی اور شہواتِ نفس کی پیروی میں آزادی و بے قیدی کے اسباب پر غور کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر یہ حقیقت واضح فرماتا ہے کہ انسان کی تمام سرکشیوں اور تعدیوں کی تہہ میں تین چیزیں کام کر رہی ہیں:

۱- پہلی یہ کہ لوگوں میں خدا اور اس کی صفات کا تصوّر بالکل غلط ہو کے رہ گیا ہے۔

۲- دوسری یہ کہ لوگوں میں اس زندگی کے بعد کسی اور زندگی کا یا تو سرے سے تصور ہی نہیں ہے اور اگر ہے تو اس تصور میں ایسی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں کہ انسان کی عملی زندگی پر اس کی گرفت بالکل باقی نہیں رہی ہے۔

۳- تیسری یہ کہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے حدود و محارم کا علم ہی سرے سے مٹ گیا ہے۔ لوگ جانتے ہی نہیں کہ ان کے نفس کی خواہشوں اور دل کی چاہتوں پر کوئی روک بھی ہے، اس وجہ سے حضراتِ انبیاء کرامؑ اپنی ساری قوت انہی تینوں چیزوں کی اصلاح پر صرف کرتے ہیں اور جس رفتار سے وہ خدا اور اس کی صفات اور آخرت اور اس کے نتائج، احکام الٰہی اور اس کے مصالح لوگوں پر واضح کرتے جاتے ہیں اسی رفتار سے لوگوں میں تقویٰ پیدا ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب یہ اپنے کام سے فارغ ہو کر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اپنے پیچھے متقیوں کا ایک ایسا گروہ چھوڑ جاتے ہیں، جو مدتوں تک اس تقویٰ کی حرارت لوگوں میں باقی رکھتا ہے۔

یہاں ہم ان تینوں چیزوں کی کسی قدر تفصیل کر دینا چاہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ خدا، آخرت اور حدودِ الٰہی کے علم میں کس طرح کی غلطیاں ہیں جن کی حضراتِ انبیاء کرامؑ کو اصلاح کرنی پڑتی ہے اور جن کی اصلاح کے بغیر تقویٰ پیدا ہونا ناممکن ہے۔

۱- خدا کے تصوّر کی تصحیح

پہلی چیز، یعنی خدا کے تصور کا جب یہ حضرات اپنے گرد و پیش کی دنیا پر ڈال کر جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو لوگ سرے سے خدا کو مان ہی نہیں رہے ہیں یا مان رہے ہیں تو اس طرح مان رہے ہیں کہ اس طرح ماننے اور نہ ماننے میں نتیجہ کے لحاظ سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ مثلاً جو لوگ خدا کو مانتے ہیں وہ صرف اس حد تک مانتے ہیں کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے، یہ نہیں مانتے کہ وہ تنہا سب کا مالک ہے اور حاکم بھی ہے۔ یا یہ تو مانتے ہیں کہ ہر چیز کو وجود

اسی نے بخشا ہے لیکن یہ نہیں مانتے کہ وہ سب کا محافظ ونگراں بھی ہے۔ ان کے نزدیک اس بات میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ آسمان کے عرشِ حکومت پر تو وہ خود متمکن ہو اور زمین کا انتظام اپنے دوسرے مقربین کے حوالے کر کے اس سے بالکل غیر متعلق ہو جائے، اسی طرح وہ خدا کو بھی مانتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کے دوسرے سیکڑوں شریکوں کو بھی مانتے ہیں جن کو اس کے دربار میں ایسی رسائی اور تقرب حاصل ہے کہ جس کو چاہیں معاف کرادیں اور جس کو چاہیں سزا دلادیں، اس کی عبادت کا حق ان کے نزدیک مجرد اس بات سے ادا ہو جاتا ہے کہ مخصوص اوقات میں اس کی پوجا کرلی جائے یا اس کو خوش کرنے کے لیے اس کے حضور میں کوئی نذر گزار دی جائے یا کوئی قربانی پیش کردی جائے۔ اس عبادت کے مقتضیات میں سے نہ تو یہ بات ہے کہ تنہا اسی کی اطاعت اور غلامی کی جائے اور نہ ان کے نزدیک خدا کی صفات کا کوئی لازمی تقاضا ہے کہ وہ خلق کی ہدایت کے لیے کوئی قانون و کتاب اور کوئی نبی و رسول بھیجے اور انسانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو۔ علیٰ ہذا القیاس وہ خدا کو خالق تو مان لیتے ہیں لیکن یہ نہیں مانتے کہ وہ مارنے کے بعد دوبارہ پیدا بھی کرسکتا ہے یا انسان کے تمام کھلے اور چھپے سے واقف بھی ہے یا اس کے ہر کام میں حکمت ہے یا وہ عادل، اور قسط کو قائم کرنے والا ہے یا دوسرے کے خوف و لحاظ اور ان کی مدد و اعانت سے بالکل مستغنی ہے۔ ظاہر ہے خدا کو نہ ماننے والے اور اس طرح ماننے والے نتیجہ کے لحاظ سے یعنی خدا سے بے خوفی میں دونوں برابر ہیں۔ پہلا گروہ اس وجہ سے بے پروا ہے کہ وہ خدا کو مان ہی نہیں رہا ہے اور دوسرا اس وجہ سے مستغنی ہے کہ اس نے خدا سے بچنے کے لیے صدہا چور دروازے پیدا کرلیے ہیں، اس وجہ سے انبیاء کرامؑ پہلے گروہ میں تو خدا کا اعتقاد پیدا کرتے ہیں اور دوسرے گروہ کے عقیدہ کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں کیوں کہ جب تک خدا پر سچا اور پکا ایمان نہ ہو اور وہ شرک کی تمام آلائشوں سے بالکل پاک نہ ہو اس وقت تک خدا سے تقویٰ ایک بالکل بے معنی لفظ ہے۔ جو شخص خدا کو تنہا مالک اور حاکم مان ہی نہیں رہا ہے آخر وہ اس کی اطاعت و بندگی کیوں کرے؟ جو شخص اس کو علیم و خبیر یقین ہی نہیں کر رہا ہے وہ خلوت و جلوت میں اس طرح ڈرتا کیوں رہے کہ اس کے کسی حکم کی ادنیٰ خلاف ورزی بھی نہ ہونے پائے؟ اور بالفرض وہ پبلک میں کسی مصلحت سے کوئی کھلی ہوئی نافرمانی نہ کرے لیکن آخر تنہائی میں اس کا خوف اپنے اوپر کیوں مسلط رہنے دے؟ جو شخص اس بات پر عقیدہ رکھتا ہی نہیں کہ خدا عادل اور قسط

کو قائم کرنے والا ہے وہ ظلم و نا انصافی سے کیوں ڈرے گا؟ جو شخص اس بات کا قائل ہی نہیں کہ خدا کو ہماری روز مرّہ زندگی سے کوئی تعلق ہے اور اس نے ہماری اس زندگی کو حدود کے اندر پابند رکھنے کے لیے کچھ قوانین اُتارے ہیں، آخر وہ خدا سے ہر قدم پر کانپتا کیوں رہے گا؟ جس شخص کا اس پر ایمان ہی نہیں کہ خدا ہی حاکم علی الاطلاق، بادشاہ اور قانون ساز ہے، آخر وہ اپنی یا دوسروں کی حکومت اور قانون سازی کو بغاوت کیوں سمجھے گا؟ اس وجہ سے تقویٰ پیدا کرنے کے لیے سب سے مقدم چیز یہ ہے کہ خدا کی ذات، اس کی صفات اور اس کے حقوق کا صحیح صحیح علم پیدا کیا جائے۔ اس کے بغیر تقویٰ پیدا کرنے کی ساری تدبیریں بالکل اوپری ہوں گی، جن سے ممکن ہے خانقاہی قسم کا ایک بالکل غیر متوازن تقشّف تو پیدا ہو جائے لیکن وہ تقویٰ ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، جو حدودِ الٰہی کی کامل محافظت سے عبارت ہے اور جس کو پیدا کرنے کے لیے حضرات انبیاء کرام تشریف لائے تھے۔

۲۔عقیدۂ آخرت کی تصحیح

دوسری چیز یعنی عقیدۂ آخرت کا جب انبیائے کرام جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یا تو سرے سے موت کے بعد کسی زندگی اور روزِ حساب کے قائل ہی نہیں رہے اور اگر قائل ہیں تو صرف ایک مفروضہ کے درجے میں قائل ہیں۔ اور یہ مفروضہ بھی ان کے اندر خدا اور اس کے حدود کا احترام اور خوف پیدا کرنے میں بالکل بے اثر ہے۔ کیونکہ اگر ایک طرف وہ یہ مانتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہے، جس میں اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی تو دوسری طرف شرکاء و شفعاء کی شفاعت کے بھی قائل ہیں جن کی نسبت ان کا اعتقاد ہے کہ وہ خدا کے ہاں اس قدر زود اثر رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پرستاروں کو بہر حال خدا سے بخشوائیں گے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں، جو اپنے نسب ہی کو اپنی نجات کے لیے بالکل کافی سمجھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ ان کے آباؤ اجداد خدا کے محبوب تھے اس وجہ سے وہ بھی اللہ کے محبوب اور چہیتے بن گئے ہیں۔ وہ اولاً تو خدا کی جہنم کے سزاوار نہیں اگر سزاوار ٹھہرے بھی تو زیادہ سے زیادہ چند دنوں کے لیے۔ بعض دوسرے اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ انسان تو ازلی گنہ گار ہے، اس کے پاک اور متقی ہونے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ عدل کا

معاملہ نہیں بلکہ رحم کا معاملہ کیا ہے اور اس کی نجات کے لیے اس نے اپنے محبوب بیٹے کو بھیجا، جو سولی پر چڑھ کر تمام انسانوں کے لیے کفارہ بن گیا، اب انسانوں کی نجات کے لیے کسی پرہیز گاری اور تقویٰ، کسی بندگی و اطاعت کی ضرورت نہیں ہے، صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ لوگ خدا کے بیٹے پر ایمان لائیں جو اس پر ایمان لائے گا وہ نجات پائے گا، اگرچہ اس سے ایک نیکی بھی صادر نہ ہوئی ہو اور جو شخص اس پر ایمان نہیں لائے گا وہ نجات سے محروم رہے گا اگرچہ اس سے ایک برائی بھی سرزد نہ ہوئی ہو۔ دوسرے بعض ایسے ہیں جو اگرچہ آخرت کے قائل ہیں لیکن اس کو اس قدر دور سمجھتے ہیں کہ اس کے لیے کسی تقویٰ اور پرہیز گاری کا اہتمام بالکل فضول سمجھتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو نجات اپنے گروہ کا حق سمجھتے ہیں، جو ان کے اندر شامل ہے اس کی نجات ہوگی خواہ اس کے اعمال کچھ ہوں، جو ان سے باہر ہے وہ نجات سے محروم ہے، اگرچہ وہ کتنا ہی نیک ہو۔ ظاہر ہے کہ جو شخص آخرت کا سرے سے قائل ہی نہیں ہے اور اپنے آپ کو بالکل غیر مسئول اور مطلق العنان سمجھ رہا ہے اس سے تقویٰ کا مطالبہ بالکل بے معنی ہے۔ اور اگر آخرت کا تو قائل ہے لیکن غلط شفاعت کے چکر میں پڑا ہوا ہے یا نسب کے غرور اور گروہ کی عصبیت میں مبتلا ہے یا خدا کے رحم اور عدل کا تصور اس کے دماغ میں غلط ہو کے رہ گیا ہے تو اس کو بھی تقویٰ کی دعوت دینا بالکل بے معنی ہے۔ ان میں سے ہر واہمہ تقویٰ کی جڑ اُکھاڑ دینے کے لیے کافی ہے۔ جو شخص ایک ایسی شفاعت کا یقین لیے بیٹھا ہوگا، جو باطل کو حق اور حق کو باطل بنا دے گی اس کو خدا سے ڈرنے کی کیا ضرورت؟ جو شخص اس خبط میں مبتلا ہے کہ اسے جو کچھ حاصل ہے اس کے نسب اور اس کے استحقاق ذاتی کا کرشمہ ہے دنیا میں بھی حاصل ہے اور آخرت میں بھی حاصل رہے گا، اسے خدا کی پرستش کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟ اسی طرح اگر کسی کے دماغ میں خدا کے رحم کا ایک غلط تصور پیدا ہو گیا ہے اور وہ خدا کے عدل کو اس کے رحم ہی کا مظہر نہیں سمجھ رہا ہے تو وہ خدا سے ڈرے گا کیوں؟ ایسے لوگوں کے اندر تقویٰ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر اوّل، تو عقیدۂ آخرت کو راسخ کیا جائے ثانیاً، ان تمام رخنوں کو بند کیا جائے، جو اس عقیدے کے تمام اثر کو بالکل باطل کر دینے والے ہیں، چنانچہ حضرات انبیاء کرامؑ ان لوگوں کو پہلے ایمان بالآخرت کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت کے قطعی ہونے پر آفاق و انفس سے ایسے دلائل پیش کرتے ہیں جن کا انکار صرف ایک ہٹ دھرم ہی کر سکتا ہے اور ساتھ ہی ان تمام غلط توہمات کی ایک ایک کر کے

بیخ کنی کرتے ہیں، جو انسان میں غلط قسم کی بے پروائی اور جسارت پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً: شفاعت کے غلط تصور کی پوری وضاحت کے ساتھ تردید کرتے ہیں کہ خدا کے ہاں کوئی آدمی یا فرشتہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا اور جس کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی وہ صرف سچی بات کہہ سکے گا، کوئی بات خلاف حقیقت نہ کہے گا اور کوئی شفاعت نہ حق کو باطل کر سکے گی نہ باطل کو حق۔ علیٰ ہذا القیاس نسب وحسب خدا کے ہاں کچھ کام نہ آئے گا۔ وہاں صرف عمل واطاعت کی پوچھ ہوگی۔ جو لوگ عمل کے لحاظ سے بھرپور ہوں گے وہ خدا کے ہاں اسی لحاظ سے اونچے سے اونچا درجہ پائیں گے، اگرچہ نسب وخاندان کے اعتبار سے وہ نیچے درجے میں گنے جاتے ہوں اور جو لوگ عمل سے خالی ہوں گے وہ خدا کے ہاں محروم ونامراد ہوں گے اگرچہ انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر ہی کی اولاد میں سے ہونے کا شرف حاصل ہو۔ نیز وہ یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ایک انصاف کا دن لائے، جس میں مظلوموں کی دادرسی کرے اور ظالموں کو ان کے کیے کا بدلہ دے، اس کی رحمت کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ظالموں اور سرکشوں کو معاف کر دے اگر وہ ایسا کرے تو نہ وہ عادل ہے نہ رحیم ہے۔

۳۔ شریعت کی تجدید

ان دونوں کاموں سے فارغ ہونے کے بعد حضرات انبیاء کرامؑ جب اللہ تعالیٰ کے حدود کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حدود وقوانین شریعت کا بڑا حصہ بالکل مٹ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حرام کیا ہوا حلال ہے۔ اُس کا حلال کیا ہوا حرام ہے، جو بات اس کی نظروں میں مبغوض تھی وہ محبوب بن گئی ہے، جو محبوب تھی مبغوض بن چکی ہے، زندگی کے ہر گوشے میں معروف منکر بن چکا ہے اور منکر نے معروف کی جگہ لے لی ہے۔ معاش میں، معیشت میں، عدل میں، سیاست میں، تہذیب میں، معاشرت میں، تعلیم میں، تربیت میں، عادات واخلاق میں، اٹھنے بیٹھنے میں، چلنے پھرنے میں، ہنسنے بولنے میں، ہر جگہ شیطان نے انڈے بچے دے دیے ہیں اور سارا نظام زندگی فاطر اور فطرت کے منشا کے بالکل خلاف ہو کے رہ گیا ہے، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندگی کے ایک ایک گوشے کی چھان بین کرتے ہیں اور ہر گوشے کو غیر فطری اور غیر الٰہی

عادات ورسوم سے بالکل پاک کر کے اس کو فطرت اور شریعت کے بالکل مطابق کرتے ہیں۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے یہاں تقویٰ پیدا کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال کر ہر آدمی اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے۔ مکہ کی زندگی میں آپؐ نے جس طرح لوگوں کو تقویٰ کی تعلیم دی ہے مکی سورتوں میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ ہر شخص اِن سورتوں کو سرسری طور پر پڑھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ یہ سرتاسر خدا، اس کی صفاتِ حسنہ اور آخرت کے دلائل واحوال سے لبریز ہیں اور اتنی قوت وشدت اور اتنی گونا گوں شکلوں میں ان سورتوں کے اندر یہ مطالب بیان ہوئے ہیں کہ جن لوگوں کو اوّل اوّل یہ سورتیں سنائی گئیں ان کے لیے صرف دو ہی صورتیں ممکن رہ گئی تھیں یا تو داعی کی دعوت پر لبیک کہیں اور غفلت کے بستروں کو چھوڑ کر خدا کی طرف بھاگیں یا پھر پوری قوت سے اِس پُر اثر دعوت کو دبانے کی کوشش کریں جس نے ان کے لیے چین کی نیند حرام کر دی ہے، چنانچہ ان سورتوں کے نزول کے بعد پورے عرب میں ایک شخص بھی اسلامی دعوت کے بارے میں غیر جانب دار نہیں رہ گیا تھا، یا تو اس کا جان ودل سے مخالف بن کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کو مٹائے بغیر گویا اس کے لیے خواب وخور حرام تھا یا اتنا شدید حامی بن گیا تھا کہ سب کچھ گوارا تھا لیکن اگر نہیں گوارا تھی تو یہ بات کہ کوئی قدم بھی تقویٰ کے خلاف اٹھے۔ تقویٰ کا اس درجہ شدید احساس کہ خدا کے حکم کی تعمیل کی راہ میں ہر جوکھم آسان ہو جائے، صرف اس چیز کا نتیجہ تھا کہ خدا اور آخرت کے بارے میں ان کا علم صاف ہو گیا تھا، اتنا صاف کہ اس کے بعد ان کے لیے خدا کی طرف بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی صورت ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ جس جنت الحمقاء میں اب تک پڑے سو رہے تھے انھیں دفعتہً نظر آیا کہ اس کے گوشے گوشے میں آگ لگ چکی ہے اور اب اگر جان بچانے کی کوئی شکل ہے تو صرف یہی کہ جس دروازے پر پیغمبر کھڑا بلا رہا ہے اس کا رخ کیا جائے، جو لوگ بظاہر دعوت کی مخالفت پر کمربستہ تھے ان کی مخالفت ان گھبرائے ہوئے اور بدحواس لوگوں کی دوڑ دھوپ کی مانند تھی، جو آگ کے خطرے سے بچنا چاہتے ہوں لیکن نجات کے جس راستہ کی طرف نبی دعوت دے رہا ہو اس کی طرف جانے سے اس وجہ سے گھبراتے ہوں کہ اس راہ پر چل کر اپنی انانیت اور اپنی باطل خواہشوں کو باقی رکھنا ناممکن تھا اور اس قربانی کے لیے وہ تیار نہیں تھے۔

مذکورہ دعاوی پر قرآن سے دلائل

اس ساری تفصیل سے دو باتیں واضح ہوئیں: پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور آخرت کا صحیح علم ہی آدمی کے اندر وہ بے چینی پیدا کرتا ہے، جس سے وہ خدا کی طرف بھاگتا ہے جو تقویٰ کی اصل حقیقت ہے۔

دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کا علم ہی وہ پاسبان ہے، جو آدمی کے اندر بیٹھ کر اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ خدا کے احکام وقوانین کی پوری پابندی کرے اور کسی جگہ بھی سرمو اس کے حدود سے تجاوز نہ کرے، اگرچہ یہ باتیں بالکل واضح ہیں لیکن قرآن مجید سے یہاں بعض آیتیں نقل کیے دیتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ پیدا ہونے اور باقی رہنے کا انحصار سرتاسر اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے صحیح علم ویقین پر ہے۔

پہلے ہم بعض وہ آیتیں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ تقویٰ کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی صحیح صفات کے علم پر منحصر ہے۔ سورۂ بقرہ میں طلاق کے احکام وقوانین کے بیان کے بعد فرمایا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ:۲۳۱)

''اللہ سے ڈرو اور یقین رکھو کہ اللہ ہر بات کو جاننے والا ہے۔''

اس آیت میں تقویٰ کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کی یاددہانی کی گئی ہے۔ کیوں کہ خدا کے حدود کی پوری حفاظت وہی کرسکتا ہے، جو یہ مانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سے باخبر ہے۔ یہ چیز دو مختلف پہلوؤں سے آدمی کے اندر تقویٰ پیدا کرتی ہے۔ جہاں کہیں انسان کا نفس کسی خیانت یا جسارت پر اُکساتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا تذکرہ آدمی میں خدا کا خوف پیدا کرتا ہے اور جہاں کہیں آدمی اللہ تعالیٰ کے حدود کی پابندی کے لیے بازیاں کھیلتا ہے، مصائب جھیلتا ہے اور نقصانات گوارا کرتا ہے وہاں یہ یقین کہ اللہ تعالیٰ اس کی ان ساری جانبازیوں کو دیکھ رہا ہے، اس میں اعتماد وقوت پیدا کرتا ہے۔

پھر احکام رضاعت کے بعد فرمایا ہے:

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ (البقرہ: ۲۳۳)

''اگر تم چاہو کہ اپنے بچوں کو دودھ پلاؤ تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ ادا کرو جو تم نے وعدہ کیا ہے دستور کے مطابق، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھنے والا ہے۔''

اس آیت میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے بصیر ہونے کی یاددہانی کی گئی ہے۔ اس صفت کا علم بھی آدمی میں ان ہی دو پہلوؤں سے تقویٰ پیدا کرتا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (البقرہ: ۲۸۲)

''اور چاہیے کہ وہ شخص لکھوائے، جس پر حق عائد ہوتا ہے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔''

اِس آیت میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفت رُبُوبِیَّت یعنی اس کے مالک وحاکم ہونے کو یاد دلایا گیا ہے۔

فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ط (البقرہ: ۲۸۳)

''پس چاہیے کہ جس شخص کے پاس امانت رکھی گئی ہو وہ امانت ادا کردے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔''

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○

(آل عمران: ۷۶)

''ہاں جس نے عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس آیت میں اہل تقویٰ کی حوصلہ افزائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو یاد دلایا گیا ہے کہ وہ متقین سے محبت کرتا ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ط وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۱۴، ۱۱۵)

''اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں،

بھلائی کے کاموں میں مسابقت کرتے ہیں، وہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں اور جو بھلائی کے کام وہ کریں گے اس کا انکار نہ کیا جائے گا اور اللہ متقیوں سے باخبر ہے۔‘‘

یہاں تقویٰ کے اصلی کام بھی بتادیے ہیں اور ان کاموں میں جو جو کھم ہے اس کو برداشت کرنے کے لیے جس اعتماد اور قوت کی ضرورت ہے وہ بھی دو لفظوں میں بخش دی ہے کہ ’’اللہ متقین سے باخبر ہے اور جو لوگ تقویٰ کی خاطر قربانیاں کریں گے اللہ تعالیٰ ان سے اچھی طرح باخبر ہے ان کی محنتوں کا پورا صلہ دے گا۔‘‘

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ (النسآء:۱)

’’اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ اور بنایا اسی سے اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں، اور اُس اللہ سے ڈرو، جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے طالب مدد ہوتے ہو اور رحم سے، بے شک اللہ تم پر نگراں ہے۔‘‘

یہاں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ’’رقیب‘‘ کو یاد دلایا ہے یعنی وہ ہر شخص کی اور اس کے ہر قول و فعل کی نہایت کڑی نگرانی کر رہا ہے۔

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (النسآء:۱۲۸)

’’اور اگر تم احسان کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔‘‘

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ (النسآء:۱۳۱)

’’اور ہم نے وصیت کی اُن لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے اور تم کو کہ اللہ سے

ڈرو اور اگر تم کفر کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔"

اِس آیت میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اس بات کی یاددہانی کی گئی ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (الطلاق: ۲،۳)

"اور جو اللہ سے ڈرے گا اس کے لیے وہ راہ پیدا کرے گا اور اس کو وہاں سے روزی دے گا، جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔"

تقویٰ پر قائم رہنے کے لیے بالخصوص ایسے مواقع میں جہاں آدمی کو مالی و معاشی مشکلات کا سامنا ہو، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو یاد دلایا گیا ہے کہ وہ وہاں سے روزی کا سامان کرتا ہے جہاں سے آدمی کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

اب ان آیات پر غور فرمایئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ پیدا کرنے اور تقویٰ پر قائم رکھنے کے لیے آخرت کا صحیح علم و یقین اور اس کا تذکرہ ضروری ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۲۳)

"اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے اور مومنین کو خوش خبری دو۔"

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۰۳)

"اور اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں تو جس نے جلدی کی دو دنوں میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ اس کے لیے ہے جو تقویٰ پر قائم رہے اور تقویٰ اختیار کرو اور یاد رکھو کہ تم خدا کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔"

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ

وَالۡعُدۡوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ○

(المائدۃ:۲)

''ادائے حق اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور حق تلفی اور زیادتی کی باتوں میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ شدید پاداش والا ہے۔''

فَكُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَكۡنَ عَلَيۡكُمۡ وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ○ (المائدۃ:۴)

''پس کھاؤ اس میں سے جو تمہارے لیے روک رکھیں اور اس پر اللہ کا نام لو، اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔''

ان تمام آیات میں تقویٰ کا مطالبہ کیا ہے اور ساتھ ہی یاددہانی کی ہے کہ خدا سے ملنا ہے، اس کے پاس اکٹھے ہونا ہے، وہ سخت پاداش والا ہے، جلد حساب چکانے والا ہے، کیوں کہ انہی صفات کے یقین اور ان کی یادداشت سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

خلاصہ مباحث

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح کرنی مقصود ہے کہ حضرات انبیاء کرام جن کا اصلی کام ہی لوگوں میں تقویٰ پیدا کرنا تھا، انھوں نے اپنے اپنے زمانوں میں لوگوں کو جس تقویٰ کی دعوت دی ہے وہ تقویٰ یہی تھا کہ لوگ اللہ کے حدود واحکام کے پابند ہو جائیں، اس کی نافرمانی و بغاوت سے توبہ کریں، نہ اپنی خواہشوں کی پیروی کریں، نہ ان لوگوں کے پیچھے چلیں جو اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں، زندگی کے تمام گوشوں میں اس قانون کی پیروی کریں جو اللہ نے اتارا ہے اور اس بات سے ڈرتے رہیں کہ اس کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے، جس میں ہر شخص کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی اور ہر شخص کی نیکی یا بدی اس کے سامنے آئے گی۔

اس تقویٰ کو پیدا کرنے کے لیے انھوں نے لوگوں میں اللہ اور روزِ آخرت کا سچا یقین پیدا کیا، خدا اور اُس کے اسماء وصفات کی تعلیم دی جو منکر تھے ان کے انکار کو توڑا، جو متردد تھے ان کے تردد کو دور کیا، جو مشرک تھے ان کے شرک کا ابطال کیا یہاں تک کہ جو خدا صرف عرش آسمان پر براجمان تھا، نہ زمین کے معاملات کی، العیاذ باللہ اسے کوئی خبر تھی نہ ان سے اس کو کوئی دل چسپی تھی، وہ ایک علیم وخبیر، سمیع وبصیر، حفیظ ورقیب اور عزیز وحلیم خدا بن کر آسمان وزمین کے سارے معاملات کی نگرانی کرنے لگا، جس خدا کی نسبت لوگ صرف یہ سمجھتے تھے کہ اس نے پیدا کیا اور پیدا کر کے اِس دنیا کے نیک وبد سے بے تعلق ہو گیا ہے اس کو اس حیثیت سے ماننے لگے کہ وہی تنہا اس کائنات پر ہر آن متصرف ہے، اس نے جس جس طرح لوگوں کو پیدا کیا ہے اور ان کی زندگی کے وسائل مہیا کیے ہیں اسی طرح ان کی ہدایت کے لیے انبیاء بھی بھیجے ہیں اور ان کی رہنمائی کے

لیے قانون بھی نازل کیا ہے اور جس طرح وہ سب کا معبود ہے اسی طرح وہ سب کا رب، مالک اور بادشاہ بھی ہے۔ اور جس طرح اس نے یہ زندگی بخشی ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ بھی کرے گا اور اس زندگی کا حساب بھی لے گا، اور وہ دن ایسا ہوگا کہ خدا کے عدل سے کوئی چیز نہ بچا سکے گی۔ نہ کسی کی دوستی، نہ کسی کی سفارش، نہ کسی کا فدیہ اور نہ کسی کا معاوضہ، وہ تنہا مالک ہوگا اور سب مملوک ومحکوم ہوں گے، وہ تنہا بادشاہ ہوگا اور سب تابع دار اور رعیت ہوں گے۔

اِن باتوں کو دلوں میں راسخ کرنے کے لیے انھوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ ایک طرف تو کمال درجہ علمی واستدلالی تھا یعنی ہر دعوے کا ثبوت، ہر شبہ کا جواب، ہر اعتراض کی تردید عقل کی رو سے، تاریخ کے پہلو سے، آفاق کی جہت سے، اَنفُس کی طرف سے اور دوسری طرف کمال درجہ علمی تھا، یعنی توحید، معاد، رسالت کے جو حقائق سامنے آئے اور ان کو جن لوگوں نے قبول کرلیا ان کی ساری زندگیاں انہی اصولوں پر ڈھل گئیں، اس کے بعد اُن کی زندگی کا کوئی قول وفعل ان اصولوں سے متناقض نہیں رہ گیا۔ وہ اپنی زندگی کے بڑے بڑے مسائل سے لے کر حقیر سے حقیر جزئیات تک میں مومن باللہ، مومن بالآخرت اور مومن بالرسول تھے۔ اگر کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ان کی زندگی کے اندر ان حقائق سے متناقض ہوتی تو وہ کانٹے کی طرح ان کے دلوں میں کھٹکتی، اور جب تک وہ نہ نکل جائے اس وقت تک وہ چین نہ لیتے، اور کوئی معمولی سے معمولی بات بھی اگر ان کے سامنے پیش کی جاتی جو ان اصولوں کے مطابق ہوتی تو وہ اس کو اس طرح لپک کے قبول کرتے گویا وہ اسی متاعِ گم شدہ کی تلاش میں مدتوں سے سرگرداں تھے۔

موجودہ حالات کا جائزہ

ہمارے سامنے بھی ایک دنیا ہے، جو فسق وفجور سے بھری ہوئی ہے۔ جس کے سارے افکار ونظریات یکسر باطل اور اعمال وافعال یکسر نفس پرستانہ ہیں، خدا پر ایمان تو سرے سے موجود ہی نہیں ہے یا موجود ہے تو اس میں صد ہا رخنے ہیں، آخرت کو لوگ یا تو سرے سے مان ہی نہیں رہے ہیں یا مان رہے ہیں تو اس طرح کہ اس کا ماننا نہ ماننا دونوں برابر ہے، اللہ، رسول اور آخرت کا اقرار نہیں، بلکہ انکار، دین بن چکا ہے اور یہ دینِ انکار والحاد اپنی پشت پر نہایت زبردست فلسفے رکھتا ہے، اس کی ترویج واشاعت کے لیے بڑے بڑے کالج اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم ہیں، نہایت وسیع الاثر پریس ہے اور پھر سب سے بڑھ کر نہایت ہی طاقت ور سیاسی اقتدار ہے، جو تمام

امرونہی کا مالک تمام وسائل و ذرائع پر متصرف، تمام نفع وضرر کا خداوند بنا ہوا ہے۔ اس دنیا کے اندر کچھ تھوڑے سے مسلمان بھی جی رہے ہیں، جو اس میں شبہ نہیں کہ اللہ کا نام بھی لے لیتے ہیں، رسول کا دم بھی بھرتے ہیں اور آخرت کا ذکر بھی کر دیتے ہیں۔ لیکن اس اعتبار سے دونوں برابر ہیں کہ عملی زندگی سے خدا اور رسول کو دونوں نے الگ کر رکھا ہے۔ مسلمان نام تو خدا اور رسول کا ضرور لیتا ہے لیکن کام انہی کے کرتا ہے، جو اللہ اور رسول کے باغی ہیں، علم انہی کے پڑھتا ہے، فلسفے انہی کا سیکھتا ہے، تہذیب میں، آداب میں، معاشرت میں تقلید انہی کی کرتا ہے، اپنا مال، اپنا وقت، اپنی قابلیت سب کچھ انہی پر نثار کرتا ہے اور جبراً نہیں بلکہ طوعاً کرتا ہے، صرف کرتا ہی نہیں، بلکہ اس پر فخر بھی کرتا ہے اور تنہا خود ہی اس فخر کو سمیٹے رکھنا نہیں چاہتا، بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی آئندہ نسلیں بھی اس فخر میں حصہ پائیں، یہ خدا کو ماننے کا حق صرف اسی طرح ادا کر دیتا ہے کہ مسجد میں اس کی نماز پڑھ دیتا ہے، اس کے نام پر کچھ زکوٰۃ دے دیتا ہے، باقی اس کے سوا سارے معاملاتِ زندگی میں وہ جس خدا کی بھی اطاعت کرے اس سے اس کے آسمانی خدا کو کوئی واسطہ نہیں۔ رسول کے ماننے کا حق یہ صرف اس طرح ادا کرتا ہے کہ نمازوں میں ان کی ذات پر درود بھیج دیتا ہے، سال میں عید میلاد کے ایک آدھ جلسے کر دیتا ہے، اگر ان کی شان میں کوئی ادنیٰ گستاخی کسی سے صادر ہو جائے تو اخباروں میں اور جلسوں میں ہنگامے برپا کر دیتا ہے، باقی رہی یہ بات کہ زندگی کے تمام شعبوں میں وہی واجب الاطاعت ہیں اور انہی کا بتایا ہوا طریقہ واجب الاتباع ہے اور ان کے طریقے کے سوا سارے طریقے گمراہی، فسق اور کفر ہیں، یہ اس کے ایمان بالرسول میں داخل نہیں ہے۔ یہ آخرت کو مانتا ہے لیکن اس اطمینان قلب کے ساتھ مانتا ہے "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً" (جہنم کی آگ اسے چند دنوں سے زیادہ نہیں چھوئے گی) یہ جتنی فرمانیاں چاہے کرے اور کتنے ہی ٹھنڈے دل سے چاہے کرے، یہاں تک کہ اگر ان نافرمانیوں ہی کو وہ اپنا اور اپنی آل اولاد کا دین بنا لے اور اسی دین پر وہ اور اس کی نسلیں جئیں اور مریں جب بھی وہ نجات کا حق دار ہے، یہ نجات اسی کا پیدائشی اور قومی حق ہے یہاں تک کہ کتنے مسلمان ہیں جو شاید اسلام کا نام بھی نہیں جانتے اور دین کے واجبات و فرائض میں سے شاید ایک فرض کو بھی کبھی ادا کرنے کی انھیں توفیق نہیں ہوئی ہوگی تاہم وہ مسلمان ہیں ____ ایک ایسی دنیا میں اگر آپ تقویٰ کی تعلیم دینا چاہیں تو اس کا صحیح طریقہ کیا ہے ____؟

تعلیم تقویٰ کا خانقاہی طریقہ

ایک طریقہ تو وہ ہے، جو ہماری خانقاہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس طریقے کی تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں ہے، البتہ اس کی خصوصیات کو نمایاں کرنے کے لیے چند باتیں ہم یہاں عرض کریں گے۔ اس طریقہ کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ارباب خانقاہ اس بات کے قائل ہیں کہ چاہے وقت کا سیاسی نظام کچھ ہو، خدائی ہو یا شیطانی آدمی اس کا دل و جان سے مطیع و فرماں بردار اور خدمت گزار رہ کر تقویٰ حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ ان کے سکھائے ہوئے طریقہ پر کچھ اعمال و وظائف کا پابند ہو جائے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ لوگ تقویٰ کا یہ مفہوم نہیں سمجھتے کہ آدمی زندگی کے تمام شعبوں میں حدودِ الٰہی کا پابند ہو تو باقی امور میں اس کا جو حال بھی ہو اس سے اس کے تقویٰ میں کچھ فرق نہیں پیدا ہوتا۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ حضرات تقویٰ کی تعلیم کے لیے عقل و استدلال کے راستے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ توجہ اور صرف قلوب کے قائل ہیں، شیخ کا باطنی تصرف ان کے ہاں تقویٰ پیدا کرنے میں اصلی عامل ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حضرات تقویٰ پیدا کرنے کے لیے کتاب و سنت کے طریقے کے پابند نہیں ہیں، بلکہ ان کا زیادہ تر اعتماد اپنے اور اپنے ہم مشرب حضرات کے تجربات پر ہے، جو کچھ انھوں نے سینہ بسینہ ورثہ میں پایا ہے یا جو بات ان کے دل میں خطور کر جائے اس کو تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اصلی چیز سمجھتے ہیں۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے تقویٰ میں مقدم و مؤخر کی ترتیب وہی نہیں ہے جو شریعت میں ہے۔ یہ لوگ بعض چیزوں کو بسا اوقات کوئی اہمیت نہیں دیتے، حالانکہ دین میں وہ نہایت بنیادی اور اصولی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض دوسری چیزوں کو جو اصل دین میں بالکل ثانوی حیثیت رکھتی ہیں اصل الاصول قرار دے بیٹھے ہیں، ہماری بہتر سے بہتر خانقاہوں میں تقویٰ کی تعلیم انہی خصوصیات کے ساتھ جاری ہے۔ اسی پر ان خانقاہوں کو قیاس کر لیجیے، جو عام طور پر ہر شہر میں پائی جاتی ہیں اور ہر قسم کی بدعات ولغویات کا مرکز ہیں۔

ہمارا طریقہ

اس کے بالکل برعکس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اصلی کارفرما طاقت، وقت کا سیاسی نظام ہے، جب تک اس کی اساس تقویٰ پر نہ ہو اس وقت تک لوگوں میں اولاً تو تقویٰ پیدا ہونا ناممکن ہے اور اگر کسی طرح پیدا ہو جائے تو اس کا قائم رکھنا ناممکن ہے۔ اس وجہ سے ہم سب سے پہلے اس نظام فکر سے پنجہ آرائی کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جس پر وقت کا سیاسی نظام قائم ہے اور اس کو توڑ پھوڑ کر ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالآخرت کی اساس پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کام کے لیے ہم نے عقل و استدلال کی راہ اختیار کی ہے اور اس ترتیب کے ساتھ جس ترتیب پر اللہ کا دین اُترا ہے، دین کی حجت لوگوں پر قائم کر رہے ہیں، جن لوگوں پر توحید، معاد اور رسالت کے صحیح مقتضیات واضح ہو جاتے ہیں ان لوگوں کو ہم ایک جماعت میں منسلک ہونے کی دعوت دے رہے ہیں تا کہ یہ سب مل کر اس اجتماعی تقویٰ کی طرف مارچ کریں، جو اصلی تقویٰ ہے اور جس کے لیے جدوجہد کیے بغیر کوئی فرد اپنے تقویٰ میں کامل نہیں ہو سکتا۔ اس طریقے میں مقدم وہی ہے، جس کو اللہ اور اس کے رسول نے مقدم کیا ہے اور مؤخر وہی ہے، جس کو اللہ اور اس کے رسول نے مؤخر کیا ہے۔ ہماری جدوجہد یہ ہے کہ وقت کی عقلیت پر اسلام کے عقائد اور اعمال کی برتری ہر پہلو سے اس طرح چھا جائے کہ لوگ اسلام کو وقت کی ساری بیماریوں کا علاج سمجھ کر اس کی طرف بڑھنے لگیں اور تمام انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کے قائم کیے ہوئے حدود کے اندر بسر ہونے لگے، ہر شخص اللہ کو حاکم و بادشاہ مانے، ہر شخص اس کے رسول کے طریقے کو نجات کا طریقہ سمجھے، ہر شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہ یقین کرے، ہمارے نزدیک تقویٰ پیدا کرنے کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ یہی طریقہ ہم نے حضرات انبیائے کرامؑ کی زندگیوں سے سمجھا ہے اور اپنی طاقت کے مطابق اسی پر چل رہے ہیں، جو لوگ ہمارے اس طریقے کو انبیائے کرامؑ کے طریقہ کے مطابق پائیں وہ اس کام میں ہمارے ساتھ تعاون کریں، باقی جو لوگ خانقاہی طریقے کو انبیاء کے موافق پاتے ہیں وہ چاہیں تو اس کو اختیار کر سکتے ہیں۔

ISBN 93-93192-39-1

₹55.00

PN-259